Volume:11 Issue: 3 March 2018

مدیر

مولانا محمد عبد القوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.idara.info

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع و اشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ادارہ

مومنِ کامل کا تیسرا وصف زکوٰۃ کی ادائیگی کا اہتمام

مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ ۝۴ (سورۃ المؤمنون)

ترجمہ: اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، (ایسے ہی مومن حقیقت میں کامیاب ہیں)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی تخلیق با مقصد فرمائی ہے، اور اس مقصد کو سب پر عیاں بھی کردیا، پھر اپنے بندوں کو احکامات کا پابند بنا کر حکم جاری کیا کہ جو اس پابندی سے آزاد ہونے کی کوشش کرے گا وہ حدود اللہ کو پامال کرے گا، اسی وجہ سے انسان اپنی خواہشات میں آزاد نہیں ہے، بندہ ہے اس کی کوئی خواہش کیسے ہوسکتی ہے؟ ساری خواہشات اس کے مالک وآقا کی ہیں، انہی خواہشات میں ایک مال کے جمع کرنے اور اس کے حسبِ خواہش خرچ کرنے کی تمنا بھی ہے، مال جمع کرنا بُرا نہیں، جمع کرکے اِترانا، حقیقی مستحقین پر صرف نہ کرنا یہ بُرا عمل ہے، اس میں احتیاط سے کام لینا اللہ کی جانب سے کی جانے والی ابتلاء وآزمائش میں کامیاب ہونا ہے۔

دنیوی واُخروی کامیابی پانے والے کامل مومن کے تیسرے وصف کو اس آیت ذکر کیا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اس آیت میں لفظ ''زکوٰۃ'' کے دو احتمال ہوسکتے ہیں، ایک وہ مخصوص مالی مقدار جو صاحبِ نصاب اپنے مال سے علاحدہ کرتا ہے پھر اہلِ مصارف میں اس کو صرف کرتا ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس جگہ زکوٰۃ سے تزکیہ نفس بھی مراد لینے کی گنجائش ہے۔

اگر لفظ زکوٰۃ سے مخصوص مالی مقدار مراد لے لیں تو ایک نکتہ ہمارے علمی اضافہ کا سبب ہوگا کہ زکوٰۃ کی مشروعیت مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی جس پر سورۂ قیامہ کی آیت رہنمائی کرتی ہے البتہ مکہ مکرمہ میں حصص طے نہیں ہوئے تھے، مدینہ منورہ پہونچنے کے بعد مقادیر ونصب وغیرہ کی تعیین عمل میں آئی۔ (ابن کثیر) جہاں تک زکوٰۃ کی

---

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

ادائیگی پر وعدے اور ادائیگی نہ کرنے پر وعیدوں کا معاملہ ہے تو قرآن مجید میں اس عنوان پر کثرت سے آیات موجود ہیں، نبی پاک ﷺ کو من جانب اللہ یہ حکم ملا تھا آپ ان کے صدقاتِ مالیہ کو لیں جس سے ان کے اموال کی تطہیر اور نفس کا تزکیہ ہوگا، معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا ایک ایسا عمل ہے جس سے اموال کی حفاظت اور اس کی صفائی اور نیت کا تزکیہ ہوتا ہے، بظاہر مال کم ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے لیکن یہ عمل مال کے اضافہ کا ذریعہ ہے، صدقات کو خلوصِ نیت کے ساتھ ادا کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ بندے نے اپنے پروردگار کو قرض دیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ میدانِ محشر میں کئی گُنا زیادہ کر کے ادا فرمائیں گے اور دنیا میں بھی اس مال کی حفاظت ہوگی۔

اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی صورت میں جو وعیدیں قرآن مجید میں موجود ہیں وہ چشم کشا ہیں، زکوٰۃ ادا نہ کرنے کو مشرکوں کی عادت قرار دے کر ان کی بربادی کی پیش گوئی کی گئی ہے، اور ایک جگہ بتلایا گیا ہے کہ جس مال کی محبت نے اس کو بخیل بنا دیا ہے، وہی مال کل قیامت کے دن اس کے گلے کا طوق ہوگا ایک حدیث میں ہے کہ وہی مال بروزِ قیامت اژدھے کی شکل میں اس کی گردن سے لپٹ کر اس کو ڈس رہا ہوگا اور کہہ رہا ہوگا کہ میں ہی وہ خزانہ ہوں جس کو تو جمع کر کے رکھا کرتا تھا۔

بے شمار آیات واحادیث زکوٰۃ کی ادائیگی اور عدم ادائیگی کی وعدہ اور وعید والی موجود ہیں، لہذا یہ بات ہمارے ذہن میں رہنا چاہیئے کہ مال و دولت خدا کی جانب سے ایک امانت ہے، اس کا صحیح استعمال صاحبِ مال کے لئے رحمت ہے اور اس کا بے جا استعمال یا اس میں بخل کرنا صاحبِ مال کے لئے زحمت اور اُخروی خُسران کا سبب ہے۔

اس آیت میں دوسرا احتمال تزکیہ نفس کا ہے، تزکیہ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنیٰ ہے کسی شئی کو صاف ستھرا بنانا، پروان چڑھانا، اور اصطلاح میں تزکیہ کہتے ہیں نفس کو غلط رجحانات ومیلانات سے ہٹا کر نیکی اور خداترسی کا خوگر بنانا، اس کو درجۂ کمال تک پہونچنے کے قابل بنانا۔

نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: سب سے بڑا جہاد نفس سے جہاد کرنا ہے، اپنے نفس سے جہاد کا مطلب اس کی چاہتوں کی قربانی دینا، اس کے آرزوؤں کا خون کرنا اور اپنے قول وفعل کو شریعت کا پابند بنانا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضی والی بات کہنے اور مرضی والے عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

ایسی زندگی سے موت اچھی

مولانا مفتی شعیب اللہ خان مفتاحی دامت برکاتہم*

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ ،قَالَ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : اِذا کَانَ اُمَرَائُکُمْ خِیَارَکُمْ، وَاَغْنِیا ئُکُمْ سُمَحَائَکُمْ وَاُمُوْرُکُمْ شُوْریٰ بَیْنَکُمْ، فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَ اِذا کَانَ اُمَرَائُکُمْ شِرَارَکُمْ، وَاَغْنِیا ئُکُمْ بُخَلَا ئَکُمْ وَاُمُوْرُکُمْ اِلیٰ نِسَائِکُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ ظَهْرِهَا (ترمذی، کتاب الفتن)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے حاکم نیک اور پسندیدہ ہوں، تمہارے مالدار کشادہ دل اور سخی ہوں، اور تمہارے معاملاتِ باہمی (خیر خواہانہ) مشورے سے طے ہوں تو تمہارے لئے زمین کی پشت اس کے پیٹ سے بہتر ہے، (یعنی مرنے سے جینا بہتر ہے) اور جب تمہارے حاکم شریر ہوں، تمہارے مالدار بخیل ہوں، تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد ہوں، (کہ بیگمات جو فیصلہ کردیں وفادار نوکر کی طرح تم اس کو نافذ کرنے لگو) تو تمہارے لئے زمین کا پیٹ اس کی پشت سے بہتر ہے۔ (یعنی ایسی زندگی سے مرجانا بہتر ہے)

تشریح: حدیث کا مطلب واضح ہے کہ جب حاکم نیک سیرت اور مالدار لوگ سخی اور کشادہ دل ہوں اور مسلمانوں کے معاملات مشوروں سے طے ہوں، کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی جاتی ہو، تو مسلمانوں کے لئے زمین کی پشت زمین کے پیٹ سے بہتر ہے، یعنی زندہ رہنا مرکر قبر میں جانے سے بہتر ہے، اس کے برخلاف اگر حاکم لوگ شرارت پسند، خبیث النفس ہوں، مال دار بخیل ہوں کہ دینی وملی ضرورت پر مال خرچ نہ کرتے ہوں اور آپسی معاملات کے حل کے لئے عورتوں کو حکم بنادیا ہو اور عورتوں کی باتوں پر (بلا تامل) عمل کیا جاتا ہو، چاہے وہ حق پر ہوں یا باطل پر، تو پھر امت کے لئے زمین کے اندر چلے جانا، یعنی مرجانا بہتر ہے، اب اس کا جینا کسی فائدہ کا نہیں ہے، ایسی زندگی سے موت اچھی۔

* مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بنگلور

بعض احادیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں سے مشورہ کرو اوران کی مخالفت کرو کہ ان کی مخالفت میں برکت ہے، یہ حدیث عیسیٰ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے، اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کی بات مان کر چلنا شرمندگی کا سبب ہے۔ یہ حدیث متعدد ضعیف طرق سے آئی ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر معاملہ میں عورتوں کی بات مان کر چلنا، خیر و برکت سے دور کردیتا ہے، کیوں کہ عورتوں کے ناقصۃ العقل ہونے کی وجہ سے وہ عموماً غلط اور بے ڈھنگے مشورے دیا کرتی ہیں، لہذا ان کے مشورہ میں خیر نہیں اوران کی باتوں پر چلنے میں برکت نہیں، ہاں اگر کسی عورت کی بات دین وشریعت اور نبی علیہ السلام کی باتوں کے عین مطابق ہو، تو وہ پھر اللہ ورسول کی بات ہے، اس کے ماننے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح بعض عورتیں، بعض مردوں کے لحاظ سے عقل وعلم میں بڑھی ہوئی ہوتی ہیں، لہذا ان کی بات ماننا یا ان سے مشورہ کرنا غلط نہیں ہے۔ اس حدیث میں عام عورتوں کا ذکر ہے جو عام طور پر ناقص العقل اور ناقص الدین ہوتی ہیں ورنہ خود اللہ کے رسول علیہ السلام نے غزوۂ حدیبیہ کے موقعہ پر حضرت ام سلمہؓ سے مشورہ کیا ہے اوران کے مشورہ پر عمل بھی فرمایا۔ حاصل یہ ہے کہ عام ناقص العقل والدین عورتوں کے ہاتھ میں معاملات دے کر ہرا چھے بُرے میں ان کی ہاں میں ہاں ملانا اوران کے مشوروں پر چلنا، ہلاکت ورسوائی کا سبب ہے۔

آج بہت سے معاملات میں عورتوں کی حکم رانی مردوں پر قائم ہوگئی ہے، اوران کے حکموں پر سارے معاملات طے کئے جاتے ہیں، جو انتہائی سنگین غلطی ہے، پھر اگر خاندان اور گھرانوں سے بڑھ کر عورت کی سیادت وحکومت قوم وملت پر قائم ہوجائے اور عورت ہی قوم وملک کے سیاہ وسفید کی مالک وحاکم بن جائے اور اس کے حکم واشارہ پر سارے معاملات ملیہ وقومیہ طے کئے جائیں تو پھر اس قوم وملک کی تباہی میں کیا شبہ ہوسکتا ہے؟ جیسے بعض مسلم ملکوں میں بھی عورت کو وزیر اعظم بنادیا گیا ہے۔

یہی وہ زمانہ ہے جس میں امت کے لئے زمین کے پیٹ کو اس کی پشت سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔

(ماخوذ: از حدیث نبوی اور دورِ حاضر کے فتنے)

پیش گفتار

دیکھا نہیں جاتا مگر۔۔۔۔!

از: مدیر

قارئین کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کئی ماہ ہوئے کچھ لکھنے کی نوبت نہیں آئی، سوچتا بہت کچھ ہوں اور اظہارِ خیال کے لئے دل بے چین رہتا ہے مگر ایسا لگتا ہے کہ کسی نے ہاتھ سے قلم چھین لیا اور اظہار پر پابندی لگا دی ہو! اِدھر ''اشرف الجرائد'' کو اہتمام سے دیکھنے بالخصوص راقم السطور کی تحریر پڑھنا چاہنے والوں کی جانب سے توجہ دہانی اور مؤاخذہ بھی برابر جاری ہے، کروں تو کیا کروں؟ بہر حال بہت ہمت کر کے اس ماہ قارئین کی محفل میں حاضر ہوں۔۔۔

جدھر دیکھو محبوبِ خدا ــــ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ــــ کی محبوب اُمت مظلوم ومغموم دکھائی دے رہی ہے، پرایوں کے مظالم سے دل چھلنی ہو ہی رہا ہے، اور آنکھیں خون برسانے کو بے چین ہیں، مسلم حکمرانوں کا شوقِ حکمرانی، ذوقِ عیش وعشرت بھی حد سے گذر گیا ہے، دین سے دوری اور دنیا پرستی روز افزوں ہے، باہمی تنافُس اور قبائلی تعصُّب کی آتش نے ان کی صلاحیتوں کو جُھلسا کے رکھ دیا ہے، بے حسی اور خود غرضی عام ہوگئی ہے گویا سینوں میں اب دل نہیں پتھر ہیں۔

غوطہ ملحمہ بنا ہوا ہے، انسانی خون کے رنگ سے شام کی زمین رنگین ہوگئی ہے، اور معصوموں کے جسم کے چیتھڑوں سے بستیوں کی دیواریں سجائی جا رہی ہے، ماؤں کا بچوں کے لئے سسکنا اور بچوں کا ماؤوں کے لئے بلکنا، دانے دانے اور بوند بوند کے لئے ترسنا، زخموں کی سوزش اور ضربوں کی تپش سے کراہنا ان بے چاروں کے لئے زندگی کا لازمہ بن گیا ہے، کیسے اُن کی صبح ہو رہی ہے اور کیوں کر رات بیت رہی ہے، ہائے افسوس! انسانوں کی اس دنیا میں اِن انسانوں کا کوئی پُرسانِ حال نہیں؛ عجیب بات ہے کہ یورپ کے نام نہاد انصاف پسندوں اور انسانیت نوازوں کی عدالت میں اُن کے پالتو کتّوں کو تو انصاف مل سکتا ہے، مگر نو مہینے پیٹ میں رکھ کر، دُکھ درد

کے ساتھ جنم دے کر، اور پیار و محبت سے پال کر بڑا کئے گئے ان انسانی بچوں پر ظلم و جبر پر کوئی اُف کہنے والا بھی نہیں۔

آج سوپر پاورز کا کام مادّی منافع اور اقتدار کی ہوس کے لئے آئے دن بم باری کرنا، بستیوں کو اُجاڑنا، انسانوں کو خانہ بہ دوشی اور صحرانوردی بل کہ غرق آبی کے لئے مجبور کرنا ہے تو میڈیا کا کام صبح و شام دہکتی بستیوں، سُلگتی آبادیوں، تڑپتے زخمیوں اور بلکتی عورتوں کے دردناک مناظر کو پوری سنگ دلی اور تیکھے تبصروں کے ساتھ عام کرنا ہو گیا ہے؛ جہاں تک عالمِ اسلام کا معاملہ ہے تو وہ عالمی برادری کے درمیان ایک عضوِ ناکارہ اور ہوا کا غبارہ بنا ہوا ہے، اس کے مذہبی جذبات سوختہ اور حمیتِ قومی و ملّی خُفتہ ہو چکے ہیں، وہ اپنے وجود کی بقا اور عیش وعشرت کا دوام ظالموں کی ہاں میں ہاں ملانے اور انسانیت کے دشمنوں کو خوش رکھنے میں دیکھ رہے ہیں، ان کے آباء و اجداد کم از کم زبان تو ہلاتے تھے، یہ لوگ آہِ سرد کھینچنے کو بھی بہادری کے خلاف سمجھتے ہیں، ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کا مصداق بنے اپنے اپنے محلات و قصور میں یہودی دوشیزاؤں سے مطمئن اور مغربی آقاؤں کے منتظرِ حکم بن کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

اسلام کے نظامِ جہاد اور پیغمبرِ اسلام کی جنگوں پر کڑی تنقید اور رکیک تبصرے کرنے والے اپنے اور پرائے ذرا تقابُل کر کے دیکھ لیں، کہاں حصولِ امن و انصاف اور حقوقِ انسانیت کے لئے لڑی جانے والی اسلامی جنگیں جن میں انسان تو انسان جانوروں، کھیتیوں، درختوں، اور معبَدوں کو تک نقصان پہنچانے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی اور کہاں جہاں گیری اور دولت اندوزی کے لئے کی جانے والی یہ عصر حاضر کی لڑائیاں؟ جن میں معابِد و مساجد اور مکانات و باغات کا کیا لحاظ کیا جاتا انسانوں کے اُچھلتے سروں اور پھٹتے تنوں کو فُٹ بال کی گیندوں اور جنگل کے شکاروں کی طرح خوشی و مسرت سے دیکھا جا رہا ہے؛ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مغربی افواج کے سینوں سے پہلے دل نکال لئے جاتے ہیں پھر محاذوں پر روانہ کیا جاتا ہے۔

ہر چار دن کے بعد کسی ٹرینڈ مُہرے کو دہشت گرد کے نام سے منظرِ عام پر لایا جاتا ہے اور بنے بنائے منصوبے کے تحت فرضی مجاہدین متعارف کرائے جاتے ہیں، کچھ بھولے بھالے اور دل جلے نوجوان مسیحا سمجھ کر اُن کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور دیکھتے دیکھتے وہ گولیوں سے بھون دیے اور ٹینکوں سے جلا دیے جاتے ہیں، اُن دہشت گردوں کو مٹانے کے نام پر بے شمار عوام تہ تیغ اور جلاوطن ہوتی رہتی ہے؛ سوال یہ ہے کہ آخر یہ کون لوگ ہیں؟ انہیں کس نے کھڑا کیا ہے؟ ان کے پاس طاقت و راسلحہ اور جدید مصنوعات کہاں سے آتے ہیں؟ ان اچانک نمودار ہونے والوں کے پاس مال و دولت کی فراوانی کیسے ہو جاتی ہے؟ میڈیا ان پر اس قدر مہربان کیوں

ہو جاتا ہے؟ اور اُن کے مخفی ٹھکانوں تک بہ آسانی کیوں کر پہونچ پاتا ہے؟ اُنہیں کسی ابتدائی دعوے اور معمولی نقصان پر ہی کیوں نہیں گرفتار کرلیا جاتا؟ جب کہ اِن ملکوں کی اینٹلی جنس اتنی ایڈوانس ہے کہ اُن کے لئے کوئی پردہ پردہ اور کوئی راز راز نہیں رہ گیا ہے؛ یہ وہ سوالات ہیں جن پر غور کرنا اس نتیجے پر پہونچاتا ہے کہ یہ سب فتنے اور بدامنیاں بڑی طاقتوں کے کھیل ہیں جو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے کھیلے جاتے ہیں؛ ورنہ دنیا بھر کے انسان۔ خواہ وہ کسی مذہب وملت سے وابستہ ہوں ـــــ روزمرّہ کی زندگی میں امن وامان، بھائی چارہ، اور دوروٹی دوبوٹی سے زیادہ کسی چیز کے متمنی نہیں ہیں، بس اِن اقتدار کے بھوکوں اور غرض کے بندوں نے ہی انسانی برادری کی زندگی اجیرن اور چین حرام کررکھا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دنیا کی آبادی کا چوتھائی حصہ مسلمان ہیں، یعنی ہر چوتھا انسان مسلمان ہے اور ڈیڑھ سو سے زائد مسلم ممالک ہیں، ایک ایک کرکے ان ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجائی جارہی ہے، مگر بے حسی یا پھر بے بسی کا یہ عالم ہے کہ اِن کرب ناک حالات اور دردناک مناظر کو دیکھتے ہوئے بھی سب اس طرح خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں گویا انہیں سانپ سونگھ گیا ہو؛ بلکہ اور آگے بڑھ کے خود اپنے ممالک میں اسلام مخالف ـــــ اور دین دشمن منصوبے تیار کئے جارہے ہیں، اور تو اور! مسلمانوں کے دلوں میں انتہائی محترم اور اچھی امیدوں کی آخری آماج گاہ ''مملکتِ سعودی عرب'' نے تو سرزمینِ حجاز ـــــ جس کی گود میں حرمین شریفین کا چودہ سو سالہ ملّی سرمایہ امانت ہے ـــــ کو یورپ کا نقشِ ثانی بناڈالنے کی قسم کھالی ہے، جس تیز رفتاری سے اباحیت وآزادی اور تجدُّد دو بے راہ روی مملکت میں آتی جارہی ہے وہ ہر ایمان والے کے لئے سوہانِ قلب ودماغ بن رہی ہے؛ ڈر لگتا ہے کہ یہ صورتِ حال اور انقلابِ عظیم کسی عظیم تباہی کا پیش خیمہ اور واعظِ رب تو نہیں؟ الامان الامان!

جہاں تک مسلم قوم کی معاشی واقتصادی صورتِ حال کا تعلق ہے تو عرب مملکتوں کی آمدنیوں کا بڑا حصہ خودکردہ خطاؤں کے حوالے سے مغربی اقوام کا لقمۂ تر بن گیا ہے، اس لئے یہ مملکتیں حقیقی یا مصنوعی دیوالیہ کا شور مچا رہی ہیں، معاشی کم زور مسلمان ان مملکتوں میں محنتیں کرکے جو چار پیسے کمالیا کرتے تھے اور چند گھـــرانوں میں اس کی بہ دولت یُسر وسہولت نظر آتی تھی، ان کی اکثریت عرب ممالک سے واپس لوٹنے پر مجبور ہوگئی ہے، بچوں کی جن آمدنیوں کے غرّے میں مسلمانوں نے ٹیپ ٹاپ، شان وشوکت اور مُسرفانہ اخراجات کی عادت ڈال لی تھی، بڑے بڑے شاپنگ مالس اور شوروُمس میں خریداری، بے انتہا قیمتی اسکولوں اور بے پناہ مہنگے دواخانوں کا جو چسکہ لگ گیا تھا، نام ونمود اور شان وشوکت کے وہ سب آسمان کچھ تو گلف سے واپسی اور کچھ ملک میں نوٹ بندی وغیرہ کے ہاتھوں زمین بوس ہونے جارہے ہیں؛ یہ اور بات ہے کہ تاہنوز مسلمانوں کو ''احساسِ زیاں'' یا

”اندیشۂ فردا“ نصیب نہیں ہوا ہے، جس کا ثبوت احمقانہ فضول خرچیوں سے چمکتی دمکتی اور مُسرفانہ کھانوں کی اقسام سے مہکتی ”رات کی رانیاں“ ہیں، جنہیں ”شادی خانہ“ کہا جاتا ہے؛ واقعہ یہ ہے کہ اس اسراف وتبذیر ہی نے ہمارے حکم رانوں کی آنکھوں میں کھٹک اور برادرانِ وطن کے دلوں میں جَلَن پیدا کی ہوئی ہے، جس کا نتیجہ ایک طرف مواقعِ آمدنی سے محرومی کی شکل میں تو دوسری جانب بُغض وحسد اور جانب داری کی صورت میں روز افزوں ہے؛ خلاصہ یہ کہ چند مال داروں کی حماقت وغرور نے تمام مسلمانوں کو معاشی تنگی واقتصادی آزمائش کے بھنور میں جھونک دیا ہے۔

اب آیئے یہ دیکھیں کہ ہم مسلمان بہ حیثیت مسلمان کیا کر رہے ہیں؟ تو حقیقت یہ ہے کہ ہماری دینی ومذہبی اور اخلاقی صورتِ حال کا تذکرہ سیاسی وسماجی صورتِ حال کے ذکر سے کم تلخ نہیں ہے، اہل سنت والجماعت کے متوارث عقائد اور سلفِ صالحین سے متواتر چلے آتے اعمال دونوں ہی خطرے میں پڑ گئے ہیں، قدیم ملحد ومرتد فتنوں کی سرگرمیاں ہی کیا کم تھیں کہ نت نئے فتنے آئے دن پیدا ہوتے جا رہے ہیں، علمِ دین کی کمی اور علماءِ دین سے سوءِ ظن اور ترکِ تعلق کی وجہ سے کیا پڑھے لکھے کیا اَن پڑھ ہر طبقے کے لوگ اِن فتنوں کے شکار ہوتے نظر آرہے ہیں، غرض دینی واعتقادی صورتِ حال ناگفتہ بہ ہے۔

اتحاد واُخوت اور بھائی چارگی عوام سے لے کر خواص تک سب ہی طبقوں میں نابود ہوتی جارہی ہے، معمولی وجوہ سے ایک دوسرے سے متنفر ہیں، صبر وتحمل اور ایک دوسرے کو انگیز کرنا طبقۂ خواص میں تک معدوم ہوتا جارہا ہے، کسی کی ماتحتی اور راہنمائی میں رہنا چوں کہ عار سمجھ لیا گیا ہے اس لئے کوئی کسی کے قابو میں نہیں ہے، شخصی فیصلوں اور ذاتی رایوں کی بنیاد پر عام طور سے کام چل رہا ہے، تنظیموں اور جماعتوں میں تحزُّب وافتراق عام بات ہوگئی ہے، اور ظاہر ہے کہ اس مرض کے جو نتائج ومضار ہیں وہ سب بھی موجود ہوگئے ہیں، عوام میں دوسرے کے مقابلے میں شخصی مفادات اہم ہوگئے ہیں، خواص بھی ایثار کے مقابلے میں خود غرضی کو اور ملت کے مقابلے میں جماعت کو ترجیح دے رہے ہیں، مسلک ومشرب کا جادو تو سر چڑھ کر بول ہی رہا ہے بغض وحسد کا بازار بھی گرم ہے، الحمدللہ تعالیٰ اصلاح ودرستگی کے اسباب عوام وخواص دونوں طبقوں میں اختیار کئے جارہے ہیں، فکریں جاری ہیں مگر صورتِ حال پر اس کے اثرات بہت کم ظاہر ہو رہے ہیں، دیانت وامانت میں نمایاں تنزل ہے، قومی املاک واوقاف کا بے دردی سے استعمال کیا جارہا ہے، تعلیم وتربیت کا معیار گھٹتا جارہا ہے، ملت کا ایک بڑا طبقہ دین سے جاہل رہتے ہوئے چند اعمالِ صالحہ کو دینِ کامل سمجھ لینے کے خبط میں مبتلا ہے، آپسی نااتفاقیاں عروج پر ہیں، معمولی باتوں پر تکفیر وتحقیر، استہزاء وتمسخر، ضد اور تعطُّل کا مزاج اُمت کی آبرو برباد کر رہا اور اخلاق کے معیار کو گرا رہا ہے۔

غرض ہم لوگ دین کے اعتبار سے ''تن ہمہ داغ داغ شُد'' کے مصداق بنے ہوئے ہیں، ایسے حالات میں ہم ''مایوس تمنا'' قوم کو ''سوئے آسمان'' دیکھنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں رہ گیا ہے، پوری ملت رجوع الی اللہ ہو جائے، توبہ وانابت اور استغفار کی کثرت میں لگ جائے، حالات بدلنے کے لئے جو کچھ سماجی وسیاسی ذرائع اختیار کرنے کی عقلاً ضرورت ہے اس سے کون عقل مند انکار کرسکتا ہے؟ وہ ہمارے قائدین کرہی رہے ہیں، کرتے رہیں گے، البتہ اس میں شرعی راہنمائی اور اسلامی مطالبات کو ملحوظ رکھنا بہت ضروری ہے؛ اسی طرح دینی صورتِ حال میں خوش گوار تبدیلی لانے کے لئے جو کام مختلف زاویوں اور طریقوں سے ہورہے ہیں وہ سب قابلِ قدر اور مُفید ہیں، تاہم ان کاموں کے درمیان تصادم کے بجائے تعاوُن اور فراقت کے بجائے رفاقت ہونا چاہیئے، اختلاف کو مخالفت اور تنوُّع کو تنفُّر کا سبب بننے نہیں دینا چاہیئے، نیز اقتصادی ومعاشی صورتحال میں سدھار لانے کے واسطے تمام مسلمانوں کو اسراف وتبذیر سے بچنے بالخصوص شادی بیاہ کے بے ہنگم مصارف سے احتراز کرنے کی اشد ضرورت ہے، ورنہ حالات یہاں تک بھی بدل سکتے ہیں کہ بھیک مانگنے کی نوبت آجائے کیوں کہ قدرت افراد سے تو اغماض کرلیتی ہے مگر ۔

کبھی کرتی نہیں قوموں کے گناہوں کو معاف !

آخر میں ایک اللہ والے بزرگ کا یہ منام بھی ذکر کرنے کو جی چاہتا ہے جو ابھی چند یوم قبل کا ہے کہ انہوں نے عالمِ رؤیا میں خطرناک قسم کے جادوگروں کو اہل حق علماء کرام پر دباؤ بناتے ہوئے اور ان علماء کو فکر مند وپریشان ہوتے ہوئے دیکھا، اتنے میں حضرت محی السنہ رحمہ اللہ اُن علماء کی طرف تشریف لائے اور یوں فرمایا کہ ''یہ لوگ سورۃ الفلق ۳۶۰ مرتبہ کیوں نہیں پڑھ لیتے کہ ان کے اثر سے محفوظ رہ جاتے''

اس لئے کم از کم دینی مدارس میں اس عمل کا اہتمام کرایا جائے، حضرتؒ حیات میں بھی یہ عمل بتلایا کرتے تھے؛ ساتھ ہی مساجد میں عالم اسلام کی مشکل صورتِ حال بالخصوص اہل شام کی زبوں حالی کے خاتمے کے واسطے قنوتِ نازلہ اور دعاؤں کا اہتمام بھی کرایا جائے؛ حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے محبوب کی محبوب اُمت کے لئے دینی ودنیوی مسائل کا حل نکال دے اور صحیح سمت میں قدم آگے بڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ علی النبی الکریم

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی*

☆ حضرت ام سلیم الغمیصاء رضی اللہ عنہا

ایک روایت میں ان کا نام ''رمیصاء بنت ملحان بن خالد بن زید انصاریہ، خزرجیہ'' ہے۔

مشرک باپ کے گھر میں لڑکے کی اسلامی پرورش:

اسحاق بن عبد اللہ اپنی دادی ام سلیمؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ام سلیمؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں، فرماتی ہیں: ابو انس اس وقت موجود نہ تھے جب وہ آئے تو فرمایا: کیا تو بددین ہو چکی ہے، تو یہ کہنے لگیں: میں بددین نہیں ہوئی، لیکن میں مومن ہو چکی ہوں، اور وہ (اپنے بیٹے) حضرت انسؓ کو بھی اس کی تلقین کرنے لگیں کہ وہ ''لا إله الا الله'' کہے، اور اس بات کی گواہی دے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، تو حضرت انسؓ نے ایسے ہی کیا، حضرت انسؓ کے والد نے کہا: میرے بیٹے کو خراب نہ کرو، تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: میں اس کو نہیں بگاڑ رہی ہوں۔

مالک گھر سے باہر نکلے تو ایک دشمن سے ان کی مدبھیڑ ہوگئی، اس نے ان کا قتل کر دیا، ام سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا: کوئی بات نہیں، میں انس کا دودھ اس وقت تک نہیں چھڑاؤں گی جب تک وہ خود دودھ نہ چھوڑ دے، مجھے جب تک انس اجازت نہ دے میں شادی نہ کروں گی، ابوطلحہ نے ان کو پیغام نکاح دیا، وہ اس وقت مشرک تھے حضرت امِ سلیمؓ نے ان کے رشتۂ نکاح سے انکار کر دیا۔

ام سلیمؓ کا مہر پیغام رساں کا قبول اسلام:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ابوطلحہؓ نے ام سلیمؓ کو پیغام نکاح دیا، تو انہوں نے فرمایا: میں مشرک سے نکاح نہیں کرسکتی، ابوطلحہ! کیا تمہیں پتہ نہیں کہ تمہارے معبود کو فلاں خاندان کے غلام تراشتے ہیں، اگر تم اس میں آگ سلگاؤ گے میں تو میں اس میں جل جاؤں گی، ابوطلحہ کے دل کو کچھ بات لگی اور وہ لوٹ گئے، پھر دوبارہ آئے، اور کہا: قبول اسلام کا جو پیغام تم نے مجھے دیا ہے وہ مجھے منظور ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے

*رفیق تصنیف دار الدعوۃ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

ہیں، ان کا قبول اسلام ہی حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا مہر مقرر ہوا۔

جس ماں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی تربیت علم واخلاق پر کی:

خادم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ماں، جنہوں نے حنین اور احد میں شرکت کی، فاضلہ و عالمہ عورت تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے جنگ حنین کے لئے ایک خنجر تیار کیا تھا، ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہہ دیا کہ اے اللہ کے رسول! ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ساتھ خنجر ہے، ام سلیم رضی اللہ عنہا نے فوراً جواب دیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر کوئی مشرک میرے قریب آئے تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں گی۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر ٹھہر کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آرام فرمانا:

حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر کے علاوہ کسی اور کے گھر میں تشریف نہیں لے جاتے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات عرض کی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے ان پر ترس آتا ہے کہ ان کے بھائی کا میرے ساتھ جنگ میں مارے گئے''۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بچے کا ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت:

جارود کہتے ہیں، مجھ سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (میری ماں) ام سلیم رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لاتے تو وہ جو کچھ بناتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور تحفہ پیش کرتیں، میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، جس کی کنیت ''ابوعمیر'' تھی، ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے، فرمانے لگے: ابوعمیر رنجیدہ نظر آرہے ہیں، تو ام سلیم رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس کی ایک چھوٹی چڑیا تھی جس سے یہ کھیلا کرتے تھے وہ مرگئی ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوعمیر کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرتے ہوئے فرمایا: ''ابوعمیر! تمہارے نغیر (چوزے) کا کیا ہوا؟

شہید کی بہن:

ان کے بھائی حرام بن ملحان کی شہادت جنگ بئر معونہ میں ہوئی، جب ان کو پیچھے سے نیزہ لگا تو انہوں نے فرمایا: ''فزت ورب الکعبۃ'' رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہوگیا، وہ نیزہ ان کے سینے سے نکل آیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبرکات:

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے گھر پر قیلولہ کیا کرتے، میں آپ کے لئے چمڑے کا بستر بچھاتی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر قیلولہ فرماتے، جس کی وجہ سے آپ کا جسم اطہر عرق آلود ہو جاتا، میں ایک شیشی

لیتی اوراس میں آپ کے پسینۂ مبارک کو بھرتی۔

امام ابن سیرینؒ کہتے ہیں: میں نے بطور ہبہ حضرت ام سلیمؓ سے وہ مشک مانگا تو انہوں نے مجھے دیا۔ ایوب کہتے ہیں: میں نے اس مشک کی شیشی کو امام محمد بن سیرینؒ سے بطور ہدیہ طلب کیا تو انہوں نے اس میں سے کچھ مجھے مرحمت فرمایا، وہ میرے پاس اس وقت بھی وجود ہے۔ اور فرماتے ہیں: جب امام محمد بن سیرینؒ کا انتقال ہوگیا تو ان کو اس مشک سے حنوط دیا گیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ نے منی میں اپنے سر کا حلق کرنا چاہا تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے کٹے ہوئے بال لے لئے اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس لائے، ان بالوں کو بھی اسی شیشی میں انہوں نے رکھا، کہتی ہیں کہ میرے یہاں نبی کریم ﷺ چمڑے کے بستر پر آرام فرماتے، آپ ﷺ کو پسینۂ مبارک بہت زیادہ آتا، میں نے اس پسینہ کو ایک شیشہ میں جمع کرنا شروع کیا تو نبی کریم ﷺ جاگ گئے، پوچھا: کیا کررہی ہو؟ میں نے کہا: آپ کے پسینے کو اپنی خوشبو میں ملانا چاہتی ہوں۔

سخت حالات میں ام سلیم رضی اللہ عنہا کا موقف:

حمید کہتے ہیں: حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ام سلیم رضی اللہ عنہا کے بیٹے کو نزع کی کیفیت طاری ہوئی، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ مسجد تشریف لے گئے، بچے کی وفات ہوگئی، ام سلیمؓ نے اپنا حال درست کیا اور ہم سے کہا کہ ابوطلحہؓ کو اس کی اطلاع نہ دینا۔

ابوطلحہ رضی اللہ عنہ واپس آئے، انہوں نے ان کو رات کا کھانا کھلایا، وہ سو گئے، پھر اپنے اہل سے صحبت کی، جب رات کا آخری پہر ہوا تو فرمایا: ابوطلحہ! فلاں نے کوئی چیز بطور عاریت لی اور اس کو اپنے یہاں رکھ لیا، جب ان سے عاریتاً دی ہوئی چیز مانگی گئی تو ان کو گراں گذرا، تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: انہوں نے انصاف نہیں کیا، تو ام سلیمؓ نے کہا کہ تمہارا لڑکا اللہ عزوجل کی عاریت تھا، جس کو اللہ عزوجل نے لے لیا، تو انہوں نے انا للہ و إنا إلیہ راجعون پڑھا، اور اللہ کی تعریف کی، اور جب صبح حضور اکرم ﷺ کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا: ''اللہ عزوجل تم دونوں کی رات میں برکت عطا فرمائے''۔

مبارک اولاد:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ام سلیمؓ، عبداللہ بن ابوطلحہؓ سے حاملہ ہوئیں، ایک رات ان کی ولادت ہوئی، اس بچے کو ام سلیمؓ نے میرے ساتھ بھیجا، میں نے کچھ عجوہ کھجور لئے، میں رسول اللہ ﷺ کے یہاں آیا،

نبی کریم ﷺ اپنے اونٹوں کے گھاس چارہ میں مشغول تھے، میں نے کہا: ام سلیم (رضی اللہ عنہا) کو رات لڑکا ہوا ہے، آپ ﷺ نے کچھ کھجور اپنے دہن مبارک میں چبائے اور اس بچے کے منہ میں ڈالا اور اس کے سر پر ملا اور فرمایا ''حب الانصار التمر'' (انصاری کھجور کو پسند کرتے ہیں) میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! ﷺ! اس کا نام رکھئے تو فرمایا: اس کا نام ''عبداللہ'' ہے۔

عبایہ بن رفاعہ کہتے ہیں کہ اُم انس ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں، پھر انہوں نے اس طرح کا قصہ ذکر کیا، اس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا: ''اللھم بارک لھما فی لیلتھما'' (اے اللہ! ان کی رات میں برکت نصیب فرما۔) عبایہ کہتے ہیں: اس لڑکے کو سات لڑکے ہو جو سب کے سب حافظ قرآن تھے۔

مبشرہ بالجنۃ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا، تو میں اپنے سامنے جوتوں کی آواز سنی، کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے غمیصاء بنت ملحان موجود ہیں۔

مناجات

کاوش: مفتی اکرام الحسن مبشر قاسمی

استاذ شعبہ معہد الاشرف ادارہ ہذا

اتنا ہوں میں آوارہ، ایسی ہیں صفات اپنی
بیٹھوں جو میں لکھنے کو ہو ختم دوات اپنی

رونا بھی نہیں سیکھا میں نے تری یادوں میں
میں خود سے بھی غافل ہوں، بھولا ہوں میں ذات اپنی

مدت سے میں رسوا ہوں کوئی بھی نہیں میرا
تیرا ہو کرم تو پھر بن جائے گی بات اپنی

راضی تو رہے مجھ سے بس اتنا ہی کافی ہے
ہوجائے بلا سے پھر ہر راہ میں مات اپنی

جلوے ترے جلوے ہوں، تنہائی ہو تنہائی
اے کاش کبھی گذرے اِک ایسی بھی رات اپنی

اس نفس کی چالوں سے مجھ کو تو بچا مولیٰ
تیار لگا کر ہے ہر وقت جو گھات اپنی

اِک عمر گذاری ہے اکرامؔ نے غفلت میں
اللہ مِرے ہو اب تبدیل حیات اپنی

اصلاحِ معاشرہ

ظالم کو روکیے مظلوم کا ساتھ دیجئے

از: مفتی سہیل الرحمٰن قاسمی*

ازل سے معرکۂ حق و باطل جاری ہے، اور اس معرکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو جو دین حق کی اشاعت وحفاظت کے لئے تن من دھن کی بازی لگاتے آرہے ہیں، دنیا میں سرخروئی عطا فرمارہے ہیں اور آخرت میں ان کو جنت کے بالاخانوں میں جگہ عطا فرمائیں گے۔

مومن ہے تو بے تیغ ہی لڑتا ہے سپاہی:

دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روز اول سے خاصیت رہی ہے کہ اس کے ماننے والے ظالموں کے سامنے کبھی سر نہیں جھکاتے، اگر چہ وہ کمزور ہوں، اقلیت میں ہوں، مال واسبابِ دنیا کی کمی کے باوجود ظلم برداشت کرتے ہوئے ایسی تدابیر اور حکمتیں اختیار کرتے ہیں؛ جن سے ظالم یا تو راستہ سے ہٹ جاتا ہے یا دامن اسلام میں پناہ لے لیتا ہے لیکن ان اسباب قلیل کے اختیار کرنے کے ساتھ اہل حق کی نظر ذات حق کی قوت پر ہوتی ہے نہ کہ اپنے اور دشمن اسلام کے افراد واسباب پر، وہ دشمن خدا ورسول کا اسباب قلیل ہی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں، چاہے وہ مقابلہ نظریاتی اور فکری جنگ کا ہو یا میدان جنگ میں ظالموں سے پنجہ آزمائی کا۔

ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں　　دبی ہے آگ جگر کی مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی　　کٹی ہے بر سر میداں مگر جھکی تو نہیں

حالات حاضرہ اور اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

ملک کے موجوہ حالات میں اسلامیانِ ہند کے لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے جانباز وفادار ساتھیوں کی مکی زندگی میں کئی ایک سبق موجود ہیں کہ وہ کس طرح محکومی کی زندگی اور مخالف ہواؤں میں اسلام کو سینے سے لگائے ہوئے تھے اور کس طرح دارارقم میں بیٹھ کر دین اسلام کی سربلندی کے لئے فکریں کررہے تھے۔

ہمیں حضرت بلال حبشیؓ، حضرت خباب بن الارتؓ اور حضرت زید بن حارثؓ کا حوصلہ اور عزم وہمت اپنی قوم میں پیدا کرنا ہوگا اور ان اسباب اور حکمتوں کو اختیار کرنا ہوگا، جن کو اختیار کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

*استاذ شعبۂ حفظ ادارہ ہذا

غلاموں، غریبوں اور مظلوموں کے دلوں کو فتح کیا تھا اور ان مظلوموں کے اندر کی دبی جنگاری کو ہَوا دے کر کس طرح انہیں ظالم طاقت کے مقابلہ کے لئے تیار کیا تھا ہمیں بھی ہمارے ملک کے مظلوم طبقات (دلت، جین، سکھ، لنگایت جو برہمنوں کے ظلم کا شکار ہیں) اور ملک کے غریبوں کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ محض خدا کی طاقت کے سہارے ظالموں کے سامنے سد سکندری بن جائیں ہمیں ان مظلوم عورتوں کے حق کے لئے بھی آواز اٹھاتے رہنا چاہیئے جو آشرموں میں ظالموں کی ہوس کا نشانہ بن رہی ہیں یا آزادی کے نام پر دوہری ذمہ داری کا بوجھ اپنے نازک کندھوں پر اٹھائے پھر رہی ہیں اور اپنی عزتیں ظالموں کے ہاتھوں بیچ کر ملازمت کر رہی ہیں۔ کیا ہم میں محمد بن قاسم کا جذبہ نہیں؟ کیا ہم اس ملک میں ان کی روحانی اولاد نہیں؟ جنہوں نے ۱۷ ؍سال کی عمر میں سندھ کے ظالموں کے شکنجہ میں پھنسی ایک خاتون کی آواز پر لبیک کہا تھا اور بیٹھے بیٹھے چونک کر کہتا تھا "لبیک یا اختی" اور ظالموں کی منظم فوج کو ایمان و عمل کے گھوڑے پر سوار ہو کر نہ صرف شکست دی تھی بلکہ سندھ کے باشندوں کے دلوں کو فتح کر لیا تھا، تاریخ سندھ کے مصنف اعجاز الحق قدوسی تحریر کرتے ہیں "محمد بن قاسم جب سندھ سے رخصت ہونے لگے تو سارے سندھ میں ان کے جانے پر اظہار افسوس کیا گیا ان کی وفات پر شہر کیرج کے ہندوؤں اور بدھوں نے اپنے شہر میں ان کا ایک مجسمہ بنا کر اپنی عقیدت کا اظہار کیا"۔ (تاریخ سندھ ۲۲۶) آج ہمیں انہی اسلاف کی یاد تازہ کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی ضرورت ہے ورنہ علامہ اقبال ہم سے یہ شکوہ کریں گے ۔

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

موجودہ حالات میں ہمیں حبشہ کی ہجرت سے سبق لینے کی ضرورت ہے کہ کفار قریش نے شاہ حبشہ کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا چاہا لیکن حبشہ کے حکمران صحابۂ کرام کی اخوت، ملنساری، ہمدردی عدل و انصاف، سچائی و امانت کو دیکھ چکے تھے انہوں نے ظالموں کی ایک نہ سنی لیکن ظالموں نے مذہبی جذبات کو بھڑکانا چاہا کہ تمہارا دین الگ ہے اور ان ملک بدر مسلمانوں کا دین الگ ہے۔ لیکن حضرت جعفر طیارؓ کی وہ حکمت و بصیرت والی تقریر کو (جس میں انہوں نے اسلام کی حقانیت بتانے سے قبل اپنی اور عرب قوم کی مظلومیت و جہالت کی داستان سنادی اور پھر اسلام کا نظامِ عدل و انصاف نرمی کے ساتھ بہترین انداز میں پیش کر دیا) سن کر شاہِ حبشہ ماحیٔ اسلام کیا بنتا خود حامیٔ اسلام بن گیا۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق

ہمیں جنگ بدر کے پس منظر سے سبق لے کر ظالموں کی معیشت کو جس طرح ممکن ہو کمزور کرنے کی کوشش کرنا چاہئے اور اپنی قوم کی معیشت کو جس طرح ممکن ہو مضبوط کرنا چاہئے، کیونکہ معیشت اہل باطل کی شہ رگ ہوتی ہے اور اہل حق کے لئے قوت بازو کی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمیں جنگ احد سے سبق لے کر انتشار سے بچنے کی خاطر اپنوں میں چھپے غیر اور آستین کے سانپوں کو بھی ساتھ لے کر چلنا ہے جب تک کہ وہ خود کفر کا اظہار نہ کردے تاکہ اصلی دشمن اندرونی اختلاف کا ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔ یہ بھی سیکھنا ہوگا کہ جب تک مرکزی اور متحدہ قیادت کی طرف سے واضح اشارہ نہ مل جائے اس وقت تک اپنے موقف سے ہٹنا نہیں چاہئے۔

جنگ احزاب سے ہمیں سیکھنا ہوگا کہ کس طرح ہم ظالموں کی اکثریت کے باوجود باہمی مشورہ سے اجتماعیت کے ساتھ ایسی پلاننگ بنائیں کہ ظالم ہم تک پہونچنے میں ناکام ہو جائے اور کس طرح ہم ظالموں اور اس کی حلیف پارٹیوں کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر کے اندرونی غداری کا سدباب کریں اور ان کے اتحاد کو توڑنے کی کوشش کریں۔

واقعہ افک سے ہمیں سبق دیا گیا کہ دشمن چاہے تمہاری ذاتیات پر حملہ کرے اور اپنے بھی غلط فہمی کا شکار ہو جائے تو صبر کرنا اور اپنوں کو معاف کر دینا غیروں پر نظر رکھنا چاہئے۔

ہمیں دنیا کا سب سے پہلا دستور قانون میثاق مدینہ بھی یاد رکھنا ہوگا کہ کسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیرونی حملوں اور خطرات کے سدباب کے لئے مدینہ کے تمام طبقات سے الگ الگ معاہدہ کر کے امت کو یہ بتایا کہ ہمیں غیر مسلموں کے آپسی اختلافات کو اور ان کی ذات پات کی تقسیم، مذہبی تقسیم، قبائلی تقسیم کو برقرار رکھتے ہوئے اس طرح معاہدات کرنا ہے کہ دین اسلام پر بھی آنچ نہ آئے اور وہ متحدہ طاقت بھی نہ بن سکے اور کسی ایک طبقہ کی معاہدہ کی خلاف ورزی تمام طبقات کی خلاف ورزی نہ شمار کی جائے۔

ہمیں صلح حدیبیہ سے سبق سیکھ کر اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا ہے، جذبات میں بہہ جانے کا نام اسلام نہیں ہے جذبات کو صحیح رخ پر لگانا اسلام کی تعلیم ہے، اپنے جذبات کو اپنے راہنماؤں بڑوں کے زیر نگیں رکھنا صلح حدیبیہ کا سبق ہے۔ نیز وقت کی قیادت کو اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ سے یہ سبق دیا کہ آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھ کر ٹھنڈے دل و دماغ سے فیصلے کرنا اچھی لیڈر شب کی روایت ہے۔

قوت تعمیر تھی کیسی خس وخاشاک میں
آندھیاں چلتی رہی اور آشیاں بنتے رہے

اسی طرح صلح حدیبیہ کے بعد دنیا نے دیکھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امن وسلامتی کی آواز اپنے مبارک

خطوط کے ذریعہ پوری دنیا میں عام کردی ہے ہمیں بھی چاہئے کہ ہم اپنے ہم مزاج سیاسی قائدین کو دعاؤں کا اہتمام کرتے ہوئے نرمی اور مثبت انداز سے اخلاص نیت کے ساتھ دعوتی وتحریضی خطوط روانہ کریں اور سوشل میڈیا کے ذریعہ اپنی آواز موثر انداز میں پہونچائیں جس سے ان کے اندر کی دبی ہوئی ایمان کی چنگاری بھڑک اُٹھے اور وہ ملک کے مظلوموں کے غم کا مداوا بن سکے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی اندرونی سیاست:

ہمارے ملک میں دورِ اکبری میں دین الٰہی سے نبرد آزمادہ مجاہد قوم وملت حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خطوط ہی تھے جس سے آپ نے اکبر کے دربار میں چھپے اپنوں کو ایسی دلسوزی اور حوصلہ مندی کے ساتھ ابھارا کہ اُن خطوط ہی کی برکت سے جہانگیر (سلیم) کے دور میں دین اکبر کا زور کمزور ہوا اور عالمگیر نے انہی کے خلفاء کے ہاتھوں تربیت پاکر مغلیہ سلطنت کو مضبوط کیا اور رواداری کے آڑ میں بڑھا ہوا شرک اور اسلامی احکامات کے ساتھ تمسخر کا جو بازار گرم تھا اس کا سد باب کیا اور عدل وانصاف کی حکومت قائم کی، آج ہمیں بھی مجدد الف ثانیؒ کا طریقہ کار اپنانے کی ضرورت ہے، باطل طاقتوں کا جواب مخالفانہ ومعاندانہ ماحول بنا کر دینے کے بجائے حکیمانہ مصلحانہ انداز میں خاموشی کے ساتھ پر اثر تدابیر اختیار کرتے ہوئے دینا چاہئے یہی کام حضرت مجدد صاحبؒ نے وقت کے حالات کے پیش نظر کیا، چنانچہ جہانگیر کے ایک گورنر کو خط ان الفاظ میں لکھا

''زادنا اللہ سبحانہ وایاکم حمیۃ الاسلام''

اسلام کی غربت وبیکسی کو سو برس ہو رہے ہیں اس حد کو پہونچ گئی ہے کہ بلاد اسلام میں اہل کفر محض احکام کفر کے اجراء پر راضی نہیں ہوتے، چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکلیہ زائل ہو جائیں اور مسلمان اور مسلمانی کا کوئی اثر باقی نہ رہے معاملہ کو اس حد تک پہونچا دیا کہ اگر کوئی مسلمان کسی اسلامی شعائر (مثلاً ذبح بقر) کا اظہار کرتا ہے تو قتل کی سزا کو پہونچ جاتا ہے۔

آگے لکھتے ہیں: ابتدائے بادشاہت میں (جہانگیر کا ابتدائی دور) اگر مسلمانی رواج پا جائے، مسلمان کچھ عزت پیدا کرلیں فبھا اور اگر عیاذاً باللہ اس معاملہ میں توقف ہو تو معاملہ مسلمانوں کے لئے بہت مشکل ہو جائے گا ''الغیاث الغیاث ثم الغیاث'' دیکھئے کون صاحب اقبال اس سعادت سے سرفراز ہوتا ہے اور کون ساشہباز اس دولت کو حاصل کرتا ہے ''ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء'' (تاریخ دعوت وعزیمت ۴۰ / ۳۱۲)

یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے:

بہرحال یہ وہ دور ہے جس میں ہمیں بہت کچھ کرنا ہے حالات کا آنا کوئی نئی بات نہیں حالات سے امت

مسلمہ کا گھبرا جانا قابل فکر ہے، حالات تو آتے ہی ہیں منافقین اور مومنین کو چھانٹنے کے لئے حالات تو ایمان کی زیادتی کا ذریعہ ہوتے ہیں، حالات کے طوفان میں ایمان والوں کا نعرہ قرآن کے الفاظ میں یہ ہوتا ہے "اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ " اسی مومنانہ فطرت کی طرف علامہ اقبال نے اشارہ کیا ہے ۔

عشق کے دام میں پھنس کر یہ رہا ہوتا ہے
برق گرتی ہے تو یہ نخل ہرا ہوتا ہے

ہم روحانی اولاد ہیں سلطان محمود غزنوی کی جنہوں نے اس ملک کے مظلوم عوام کی آواز پر ظالموں کی سرکوبی کی تھی اور عدل وانصاف کی حکمرانی قائم کی تھی، ہماری نسبت ان صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہے جو مادی وسائل واسباب کی کمی کے باجود رستم کے سامنے امت مسلمہ کا تعارف یوں پیش کرتے ہیں:

ہم ایسی قوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف لے جائیں دنیا کی تنگی و پریشانی سے نکال کر آخرت کی کشادگی کی طرف لے جائیں اور مختلف مذہبوں کے ظلم وستم سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف کی طرف لے جائیں ۔

کچھ کفر نے فتنے پھیلائے کچھ ظلم نے شعلے بھڑکائے
سینوں میں عداوت جاگ اٹھی انسان سے انساں ٹکرائے
پامال کیا برباد کیا کمزور کو طاقت والوں نے
جب ظلم وستم حد سے گزرے تشریف محمد لے آئے

فکرونظر

اختلافِ رائے: حدودوآداب

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی*

دین ودنیا کے ہر معاملے میں اختلاف ایک ناگزیر امر ہے، جو ہر دور میں ہوتا آیا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا، غور کیا جائے تو یہ بھی اللہ کی قدرت کا حسین مظہر اور انسانی فطرت کا عظیم شاہ کار ہے، خود باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق (بھی) ہے اور تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف بھی، بیشک اس میں اہلِ علم وتحقیق کے لئے عبرت کا سامان ہے۔ (الروم)

فطری طور پر ہر انسان دوسرے انسان سے مختلف ہوتا ہے، مزاج و مذاق میں، فکر وتخیل میں، اطوار وعادات میں، شعور واحساس میں؛ یہی وجہ ہے کہ ایک باخبر انسان دوسرے انسان کے بنائے ہوئے ذہنی سانچے میں ڈھلنے کے لیے جلد تیار نہیں ہوتا، وہ اپنی نگاہ سے دیکھتا ہے، اپنے دماغ سے سوچتا ہے، اپنے دل سے سمجھتا ہے پھر حال واستقبال، انجام وعواقب کو پیش نظر رکھ کر نظریہ قائم کرتا ہے؛ اسی لیے اختلاف کو زندہ قوموں کی علامت بتلایا جاتا ہے، ؛ مگر اختلاف کے ساتھ وسعت ظرفی، تحمل وبرداشت اور احترام انسانیت بھی نہایت ضروری ہے۔

ہر اختلاف نہ تو مذموم ہے اور نہ ہی ہر اختلاف محمود ہوسکتا ہے، وہ اختلاف جس کا منشاء وسبب قبیح ہو وہ اختلاف یقینا مذموم ہے۔ البتہ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جب کبھی امت میں فکر ونظر کا شدید اختلاف پیدا ہوا، امت اصل مقاصد پر توجہ دینے کے قابل نہیں رہی، اس کی اجتماعیت منتشر ہوگئی، اس کی وحدت پارہ پارہ ہوگئی، اس کا وجود خطرے میں پڑ گیا، دشمنوں کے دلوں سے اس کا رعب کم ہوگیا اور وہ اغیار کا آلۂ کار بن گئی۔

اختلاف رائے اور جھگڑے فساد میں فرق:

اس عنوان کے ذیل میں حضرت مفتی شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں: اہل عقل وبصیرت پر مخفی نہیں کہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کے معاملات میں بہت سے مسائل ایسے آتے ہیں جن میں آراء مختلف ہوسکتی ہیں، ان میں اختلاف

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

کرنا عقل و دیانت کا عین مقتضیٰ ہوتا ہے، ان میں اتفاق صرف دوصورتوں سے ہوسکتا ہے، یا تو مجمع میں کوئی اہل بصیرت واہل رائے نہ ہو، ایک نے کچھ کہہ دیا سب نے مان لیا اور یا پھر جان بوجھ کر کسی کی رعایت ومروت سے اپنے ضمیر اور اپنی رائے کے خلاف دوسرے کی بات پر صاد کردیا ورنہ اگر عقل و دیانت دونوں موجود ہوں تو رائے کا اختلاف ضروری ہے اور یہ اختلاف کبھی کسی حال میں مضر بھی نہیں ہوتا، بلکہ دوسروں کے لیے بصیرت کا سامان مہیا کرتا ہے، اسمبلیوں میں حزب اختلاف کو اسی بنیاد پر ضروری سمجھا جاتا ہے۔

قرآن وسنت کے مجملات اور مبہمات کی تشریح وتعبیر میں اسی طرح کے اختلافات کو ''رحمت'' کہا گیا ہے جو اسلام کے عہد اول سے صحابہ وتابعین اور پھر ائمہ دین میں چلے آئے ہیں۔ ان مسائل میں جو اختلافات صحابہ کرامؓ میں پیش آچکے ہیں، ان کو مٹانے کے معنی اس کے سوا نہیں ہوسکتے کہ صحابہ کرامؓ کی کسی ایک جماعت کو باطل پر قرار دیا جائے، جو نصوص حدیث اور ارشاداتِ قرآنی کے بالکل خلاف ہے، اسی لیے حافظ شمس الدین ذہبی نے فرمایا ہے کہ جس مسئلے میں اختلاف صحابہ کرامؓ کے درمیان ہوچکا ہے اس کو بالکل ختم کردینا ممکن نہیں۔

اسی کے ساتھ صحابہ وتابعین اور ائمۂ مجتہدین کے دور کی وہ تاریخ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت جو ان میں اختلاف رائے پیش آیا ہے اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ اس نے جنگ وجدال کی صورت اختیار کی ہو، باہمی اختلاف مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رکھنا اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار رہے۔ (دین وشریعت کی بنیادیں، ص112)

اختلاف کے اصول وآداب:

(۱) اختلاف قرآن وسنت کی بنیاد پر اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ ہو اور اختلاف کرنے والوں میں وہ اہلیت بھی موجود ہو جو اس کے لئے ضروری ہے، تو یہ اختلاف ممنوع نہیں؛ بلکہ امت کے لئے رحمت ہے۔

اختلاف رائے رکھنے والے مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض نادان، کم فہم، بے دین، ان پڑھ اور میڈیائی پروپیگنڈے کے شکار؛ جو انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ کسی رائے کا اظہار کر بیٹھتے ہیں، پھر ہوتا یوں ہے کہ نہ تو انہیں سمجھایا جاسکتا ہے، نہ ان کے پاس اپنی رائے سے متعلق معقول دلائل ہوتے ہیں اور نہ ہی انہیں نتائج کا ادراک ہوتا ہے یا کبھی کبھار ایسا ہوتا ہے کہ چند ٹوٹے پھوٹے دلائل تو رکھتے ہیں؛ لیکن ایسے نامعقول کہ صرف جان چھڑانے کے لئے ان کو استعمال میں لایا جاتا ہے، جس سے ان کا اپنا ضمیر بھی مکمل طور پر مطمئن نہیں ہوتا۔

بعض حضرات ایسے ہوتے ہیں کہ ناقص معلومات، مفروضوں، پروپیگنڈوں اور افواہوں کے زیر اثر رہ کر

کچھ عجیب وغریب رائے کا اظہار کر کے اپنی عقلمندی کا پردہ چاک کر دیتے ہیں؛ لیکن جب انہیں حقائق کا پتہ چل جاتا ہے تو خاکساری اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی سابقہ رائے سے دستبردار ہوجاتے ہیں۔

فی زمانا ہر شخص اپنے آپ کو اختلاف کا اہل سمجھتا ہے، ہر معاملے میں اپنی مستقل رائے رکھنے کو بڑائی تصور کرتا ہے، بالخصوص سوشل میڈیا کی اس برق رفتاری میں معمولی سے معمولی مسئلہ پر فوراً دوفریق ہوجاتے ہیں پھر دونوں کے مویدین ومخالفین کے درمیان، بحث ومباحثہ، لفظی تکرار وجنگ، سب وشتم اور بسااوقات جنگ وجدال تک کی نوبت آجاتی ہے۔واٹس ایپ اور فیس بک کے بے شمار مفتی وہ ہیں جو نہ مسئلہ سے متعلق احکام کا علم رکھتے ہیں نہ کسی شخصیت کے مقام ومرتبے سے واقف ہیں محض سنی سنائی باتوں پر تکفیر وتضلیل کا بازار گرم کرتے ہیں اور اسی کو قرین انصاف سمجھتے ہیں۔

(۲) اختلاف ایسے مسائل میں ہو جن میں قرآن وسنت نے کوئی دوٹوک فیصلہ نہ کیا ہو، ایسے مسائل جن میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے، یعنی ایک سے زیادہ آراء کا احتمال ہوتا ہے ان میں جو فریق بھی جو رائے دلائل کی بنیاد پر قائم کرلے وہ ناجائز اور ناپسندیدہ نہیں ہوتی۔

جب وہ ناجائز نہیں تو کسی کے لئے یہ درست نہیں کہ دوسرے کو اس بنیاد پر ٹوکے مثلاً ایک شخص رفعِ یدین کرتا ہے، دوسرا نہیں کرتا۔تو کرنے والے کے لئے جائز نہیں کہ وہ نہ کرنے والے کو ٹوکے، اور نہ کرنے والے کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ کرنے والے کو ٹوکے، کیونکہ یہاں کوئی رائے بھی منکر نہیں اور غیر منکر پر اعتراض کرنا خود منکر ہے۔

(۳) دلائل کی روشنی میں اپنی جو بات بھی راجح ہو اُسے صواب، محتمل خطا اور فریق مخالف کی رائے کو خطا، محتمل صواب سمجھا جائے، اس سے اختلاف اپنے دائرے میں رہے گا اور عناد وشقاق کی نوبت کم آئے گی ورنہ اپنی رائے پر اصرار، تفرقہ اور انتشار کا سبب ہوسکتا ہے۔

اجتہادی مسائل اور فقہی وعلمی اختلاف میں ہمارا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ اپنے مسلک کو چھوڑا نہ جائے اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑا نہ جائے، نہ چھیڑنے کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ علمی تنقید نہ کی جائے بلکہ علمی تنقید کا دروازہ ہمیشہ کھلا رکھنا چاہیے، البتہ اسے لڑائی جھگڑے اور دلوں میں دوری کا ذریعہ نہیں بنانا چاہیے، کشادہ دلی کے ساتھ اختلاف اور تنقید کو برداشت کرنا چاہیے نیز کسی کو اپنے خیال اور رائے کا پابند نہیں بنانا چاہیے، یہ ایک بے جا اور غیر فطری خواہش ہے کہ تمام لوگ کسی ایک رائے پر جمع ہوجائیں، اپنے مسلک ومذہب کو دلائل کے ساتھ بیان کرنے میں اور اسے راجح قرار دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

باہمی جنگ وجدال کے دو رُکن:

اس عنوان کے تحت حضرت مفتی شفیع صاحبؒ ارقام فرماتے ہیں: آج مذہب کے نام پر جو جنگ وجدال کا بازار گرم ہے اس کے دو رکن ہیں۔ایک ہر فرقہ اور جماعت کے علماء' دوسرے وہ عوام جو اِن کے پیچھے چلنے والے ہیں۔علماء اگر اپنی تحقیق وتنقید میں قرآنی اصولِ دعوت کے مطابق دوسرے کی تنقیص وتوہین سے پرہیز کرنے لگیں' اور اسلام کے وہ بنیادی مسائل جن میں کسی فرقے کو اختلاف نہیں اور اسلام اور مسلمانوں پر جو مصائب آج آرہے ہیں وہ سب انہی مسائل سے متعلق ہیں' اپنی کوششوں اور محنتوں کا رُخ اس طرف پھیر دیں' اسی طرح عوام اپنی مقدور بھر پوری کوشش کر کے کسی صحیح عالم کا انتخاب کریں اور پھر اس کے بتائے طریقے پر چلتے رہیں' دوسرے علماء یا ان کے ماننے والوں سے لڑتے نہ پھریں' تو بتایئے کہ ان میں اشکال کیا ہے؟ سارے فرقے اور ان کے اختلافات بدستور رہتے ہوئے بھی یہ باہمی جنگ وجدل ختم ہوسکتا ہے' جس نے آج مسلمانوں کو کسی کام کا نہیں چھوڑا۔صرف ذرا سی توجہ دینے اور دلانے اور طرزِ عمل بدلنے کی ضرورت ہے۔کاش میری یہ آواز اُن بزرگوں اور دوستوں تک پہنچے جو اِس راہ میں کچھ کام کر سکتے ہیں' اور محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے نام پر اس ہمدردانہ دعوت کے لیے کھڑے ہو جائیں تو اُمت کی بہت سی مشکلات حل ہو جائیں' اور ہمارا پورا معاشرہ جن مہلک خرابیوں کی غار میں جاچکا ہے ان سے نجات مل جائے۔(وحدت امت)

حضرات صحابہؓ کے مابین اختلاف:

حج کے موقع پر رسول اللہ ﷺ چار رکعت والی نماز کو مسافر ہونے کی وجہ سے دو رکعت پڑھا کرتے تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ وحضرت عمر فاروقؓ کا بھی یہی طریقہ تھا،خلافت کے بعد کچھ سالوں تک حضرت عثمان غنیؓ بھی اسی پر عامل رہے؛لیکن پھر انہوں نے چار رکعت پڑھنا شروع کر دیا،صحابہ کرام میں سے بہت سے لوگوں نے اس سلسلے میں ان پر تنقید کی،جن میں سرفہرست حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا نام ہے،لیکن جب نماز شروع ہوئی تو وہ بھی شامل ہوگئے اور چار رکعت ادا کی،ان سے اس کی بابت سوال کیا گیا تو فرمایا الخلاف شر (لڑنا، جھگڑنا بری بات ہے)(مصنف عبدالرزاق) یعنی اختلاف اور تنقید اپنی جگہ لیکن اسے افتراق اور انتشار کا ذریعہ بنالینا اور دوسروں پر اپنی رائے مسلط کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کے پاس ایک صاحب مسئلہ دریافت کرنے کے لیے آئے،انہوں نے کہا کہ جاؤ علی اور زید سے پوچھ لو،وہ معلوم کر کے آئے اور حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع دی،انہوں نے کہا کہ اگر میں ہوتا تو اس کے برخلاف فیصلہ کرتا،سائل نے کہا کہ آپ بااختیار ہیں،آپ کو ایسا کرنے سے کس نے روکا ہے؟ انہوں نے کہا

کہ اگر کتاب وسنت میں صراحتاً اس کا حکم مذکور ہوتا تو میں ضرور اسی کے مطابق فیصلہ کرتا لیکن یہ صرف میری ایک رائے ہے اور رائے کے سلسلے میں ہم دونوں برابر ہیں، اس لیے کسی کو دوسرے کی رائے کا پابند نہیں بنایا جا سکتا۔

(اعلام الموقعین)

حمایت ومخالفت میں توازن واعتدال:

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اپنے والد گرامی مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی سوانح "میرے والد میرے شیخ" میں لکھتے ہیں: "کسی شخص یا جماعت کی حمایت ومخالفت میں جب نفسانیت شامل ہو جاتی ہے تو نہ حمایت اپنی حدود پر قائم رہتی ہے نہ مخالفت، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ جس شخص کی حمایت کرنی ہو اسے سراپا بے داغ اور جس کی مخالفت کرنی ہو اسے سراپا سیاہ ثابت کرنے سے کم پر بات نہیں ہوتی، آج کل حمایت ومخالفت میں اس قسم کے مظاہرے عام ہو چکے ہیں؛ بلکہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص جس زمانے میں منظور نظر ہوا تو اس کی ساری غلطیوں پر پردہ ڈال کر اسے تعریف وتوصیف کے بانس پر چڑھا دیا گیا، اور جب وہی شخص کسی وجہ سے زیر عتاب آ گیا تو اس کی ساری خوبیاں ملیا میٹ ہو گئیں اور اس میں نا قابل اصلاح کیڑے پڑ گئے، حضرت والد صاحب اس طرز فکر کے سخت مخالف تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اول تو یہ طریقہ حق وانصاف کے خلاف ہے، اس کے علاوہ اس حد سے گزری ہوئی حمایت ومخالفت کے نتیجے میں بسا اوقات انسان کو دنیا ہی میں شرمندگی اٹھانا پڑتی ہے۔ حضرت والد صاحب کی نگاہ دشمنوں اور مخالفین میں بھی اچھائیوں کو تلاش کر لیتی تھی اور ان کی خوبیوں کے برملا اظہار میں بھی آپ کو کبھی باک نہیں ہوا، بعض اوقات جب عام فضا کسی شخص یا جماعت کے خلاف ہو جاتی ہے تو اس کے بارے میں الزام تراشی اور افواہ طرازی کو عموماً عیب نہیں سمجھا جاتا؛ بلکہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر اس کے عیوب کی خبریں لانے میں لطف محسوس کیا جاتا ہے اور اس میں تحقیق کی بھی ضرورت نہیں سمجھی جاتی، حضرت والد صاحب ایسے مواقع پر اپنے متعلقین کو اس طرز عمل سے سختی کے ساتھ روکتے اور فرماتے کہ اگر ایک شخص کسی جہت سے برا ہے تو اس کا یہ مطلب کہاں سے نکل آیا کہ اس کی تمام جہات لازماً ہی بری ہوں گی اور اب اس کی بے ضرورت غیبت اور اس کے خلاف بہتان تراشی جائز ہو گئی ہے؟ اس ذیل میں حضرت والد صاحب نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک مرتبہ کسی شخص نے ایک صحابی (غالباً حضرت عبداللہ بن عمرؓ) کے سامنے حجاج بن یوسف پر کوئی الزام لگایا، اس پر انھوں نے فرمایا کہ یہ مت سمجھو کہ اگر حجاج بن یوسف ظالم ہے تو اس کی آبرو تمہارے لیے حلال ہو گئی ہے۔ یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ حشر کے دن حجاج بن یوسف سے اس کے مظالم کا حساب لے گا تو تم سے اس ناجائز بہتان کا بھی حساب لے گا جو تم نے اس کے خلاف لگایا۔ (میرے والد میرے شیخ: 147-149)

خلاصۂ کلام:

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ کسی بھی انسانی سماج میں اختلاف ونزاع کا پیدا ہونا ایک فطری چیز ہے، جس سے بچنا ممکن نہیں، لیکن یہ ضروری ہے کہ جہاں آگ لگے، وہاں پانی ڈالنے والے لوگ بھی موجود ہوں، جہاں سیلاب آتا ہے تو وہاں ہر شخص پانی کی ظالم موجوں کے آگے بند باندھنے کی کوشش کرتا ہے، ورنہ آگ پوری بستی کو اپنا لقمہ بنالے گی اور سیلاب پوری آبادی کو غرقاب کر کے رہے گا، اس لئے مسلمانوں میں جو ''ارباب حل وعقد'' ہوں یعنی ذمہ دار، سمجھ دار، بااثر، اہل علم ودانش، علماء ومشائخ، مذہبی اور سماجی قائدین ان کی نیز ملی تنظیموں اور جماعتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ مسلم معاشرہ میں اُبھرتے ہوئے اختلاف کی بروقت تشخیص کریں، اس کے اسباب وعوامل کو سمجھنے کی کوشش کریں اوران کے تدارک کی طرف متوجہ ہوں، ورنہ یقیناً عنداللہ وہ اس سلسلہ میں جوابدہ ہوں گے۔

(بقیہ صفحہ ۳۲ سے)

یہاں سوال یہ ہے کہ بشارالاسد کو کب تک چھوٹ ملتی رہے گی؟ کیا روس اس وقت تک حملے کرتا رہے گا جب تک بشارالاسد کا ایک بھی مخالف سنی مسلمان ملک میں موجود ہے، کیا ایران کو سوخون معاف ہیں، امریکہ جو سپر پاور بنا پھرتا ہے روسی حملے روکنے میں ابھی تک ناکام کیوں ہے، کیا اس ناکامی سے ایسا محسوس نہیں ہوتا کہ بشارالاسد کے اقتدار کی بقا اسرائیل کے حق میں ہے، اسی لئے امریکہ نہیں چاہتا کہ بشارالاسد کے اقتدار کا خاتمہ ہو، جنگ کی حقیقی صورت حال یہ بتلاتی ہے کہ دونوں بڑی طاقتوں کا ایک ہی مقصد ہے اور وہ یہ کہ سرزمینِ شام میں نصیریوں کا اقتدار سلامت رہے، سنی مسلمان یا تو ملک سے باہر نکل جائیں، یا ہلاک ہوجائیں یا کان دبا کر رہیں، اسی میں ان کی بھلائی ہے، یہ صورت حال ترکی، سعودی عرب، یمن، قطر سب کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے، شام سے نمٹ کر ان کا رخ ان ملکوں کی طرف ہوگا جو ایران کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتے ہیں، جن سے اسرائیل کے وجود کو خطرہ ہے، ایران ان بڑی طاقتوں کے ساتھ مل کر ایک ایسے عظیم شیعہ ملک کا خواب دیکھ رہا ہے جس کی سرحدیں ایران سے سعودی عرب تک پھیلی ہوئی ہوں، اوراس میں کہیں کوئی سنی مسلمان موجود نہ ہو۔

احوالِ عالم

شام کے دل خراش حالات

مولانا ندیم الواجدی صاحب*

خانہ جنگی کے شکار ملک: شام میں معصوم شہریوں کی ہلاکت کا سلسلہ جاری ہے، گذشتہ ہفتے سے صدر بشار الاسد کی فوجیں روس اور ایران کی مدد سے غوطہ شرقیہ نامی علاقے پر لگاتار زمینی اور فضائی حملے کر رہی ہیں، پورا علاقہ ملکی فضائیہ اور زمینی دستوں کے محاصرے میں ہے، ان حملوں میں اب تک پانچسو شہری ہلاک ہو چکے ہیں، ان میں ڈیڑھ سو کے قریب معصوم بچے بھی شامل ہیں، سوشل میڈیا پر مہلوک اور زخمی بچوں کی دل دہلا دینے والی تصویریں لگاتار وائرل ہو رہی ہیں، لیکن پوری دنیا خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے، بین الاقوامی برادری شام کی ظالم اور سفاک حکومت کو ان مظالم سے باز رکھنے میں پوری طرح ناکام ہے، اگرچہ زبانی مذمت کا سلسلہ جاری ہے، مگر عملی طور پر کوئی ٹھوس اقدام نہیں کیا جا رہا ہے، اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل بڑے بے بس نظر آ رہے ہیں، وہ صرف اتنا چاہتے ہیں کہ شام کے دونوں متحارب گروپ ایک ماہ کی جنگ بندی پر راضی ہو جائیں تاکہ جنگ زدہ علاقوں میں امدادی سامان پہنچایا جا سکے، زخمیوں کی مرہم پٹی ہو، اور مہلوکین کی صحیح تعداد معلوم ہو جائے۔

خبر ہے کہ سلامتی کونسل نے شام میں تیس دنوں کے لئے جنگ بندی کی تجویز اتفاقِ رائے سے منظور کر لی ہے، روس سے خدشہ تھا کہ اگر سلامتی کونسل میں اس نوعیت کی کوئی تجویز آتی ہے تو وہ اسے ویٹو کر دے گا، اس خدشے کے پیش نظر کئی مرتبہ ووٹنگ ملتوی کی جا چکی تھی، یہ بھی خبر ہے کہ قرارداد کی منظوری کے باوجود فضائی بمباری کا سلسلہ جاری ہے، یہ اندیشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ بشار کی فوجیں ــــ جن کی پشت پر طاقت ور روس ہے ــــ کسی بھی قیمت پر جنگ بندی کے فیصلے کا احترام نہیں کریں گی اور ان کی طرف سے ''باغیوں'' اور ''دہشت گردوں'' کی سرکوبی کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔

شام کئی سالوں سے خانہ جنگی کا شکار ہے، پورا ملک کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا ہے، نصف کے قریب آبادی ترک وطن کر چکی ہے، ہزاروں افراد محفوظ مقامات تک پہنچنے کے لئے سمندروں میں سفر کرتے ہوئے غرقاب

*مدیر ماہنامہ ترجمانِ دیوبند

ہوچکے ہیں، تباہی اور بربادی کا یہ سلسلہ رک سکتا تھا اگر بڑی طاقتیں اپنی جنگ جوفطرت کی تسکین کے لئے اور اپنے ہتھیاروں کوٹھکانے لگانے کی خاطر اس خطے کو جنگ کے میدان میں تبدیل نہ کرتیں۔

شام جسے عربی میں سوریا اور انگلش میں Syria کہتے ہیں، مشرق وسطیٰ کا قدیم ترین ملک ہے، براعظم ایشیا کی آخری حدود پر واقع یہ ملک عرب جمہوریہ شام کہلاتا ہے، اس کے مغرب میں لبنان، جنوب مغرب میں فلسطین اور اسرائیل، جنوب میں اردن، مشرق میں عراق اور شمال میں ترکی واقع ہے، قدیم زمانے میں شام کا اطلاق اس پورے خطے پر ہوتا تھا جس میں اب سوریا، لبنان، اردن، فلسطین اور اسرائیل واقع ہیں، خلیفۂ اول حضرت ابوبکر الصدیقؓ نے ۱۳ھ میں حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا تھا کہ وہ عراق سے فارغ ہوکر شام کا رخ کریں اس طرح فتوحات شام کا سلسلہ شروع ہوا جو ۱۴ھ میں اس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچا جب حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفۃ المسلمین بن چکے تھے، اس سے پہلے یہاں بازنطینی حکومت قائم تھی، شام کا موجودہ دارالحکومت دمشق تقریباً اسی برس تک خلفاء بنوامیہ کا دارالخلافہ بھی رہا ہے، ویسے بھی یہ انبیاء کرام کی سرزمین ہے، اس کا چپہ چپہ پیغمبران خدا کے قدموں سے منور رہا ہے، ایک روایت کے مطابق جو حدیث کی متعدد کتابوں میں موجود ہے اور جسے فنی اصطلاح میں حدیث متواتر کہا جاتا ہے خروج دجال کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی مینار پر اتریں گے اور باب لُد پر جاکر دجال کو قتل کریں گے، یہ علاقہ پہلے متحدہ شام کا حصہ تھا اور اب اسرائیل میں ہے، اس واقعے سے پہلے حضرت امام مہدیؓ حجاز مقدس سے ہجرت کرکے دمشق میں آکر قیام کریں گے، اس کا ذکر بھی روایات میں ملتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ سرزمینِ شام اور اس کے پایۂ تخت دمشق سے اسلام اور مسلمانوں کا محبت اور عقیدت کا رشتہ ہے، مشہور محدث اور مؤرخ حافظ ابن عساکر جنھوں نے اسّی جلدوں میں دمشق کی تاریخ لکھی ہے فرماتے ہیں کہ: ایک زمانے میں دس ہزار لوگ اس شہر میں ایسے موجود تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا تھا، ذخیرۂ حدیث میں بہت سی ایسی روایات موجود ہیں جن میں شام کو بابرکت زمین کہا گیا ہے، حضرت زید بن ثابتؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: شام کتنی مبارک جگہ ہے، صحابۂ کرامؓ نے عرض کیا وہ کیسے یارسول اللہ؟ فرمایا: میں اللہ کے فرشتوں کو دیکھتا ہوں کہ انھوں نے شام کے اوپر اپنے پر پھیلا دئے ہیں (ترمذی، مسند احمد بن حنبل) ایک حدیث میں ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا جب فتنے رونما ہوں گے تو ایمان شام میں ہوگا، (طبرانی) غیر منقسم ارض شام کی فضیلت کے لئے یہ بات کافی ہے کہ اس سرزمین پر مسجد اقصیٰ ہے جو مسلمانوں کا قبلۂ اول بھی ہے، آج کل شام کے شہر الغوطہ پر حملے ہورہے ہیں، اس شہر کے متعلق بھی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد

مبارک موجود ہے، فرمایا: خونریز جنگ کے دن مسلمانوں کی پناہ گاہ غوطہ ہوگا جو اس شہر کے کنارے پر واقع ہے جسے دمشق کہا جاتا ہے یہ شام کے شہروں میں سے بہترین شہر ہے۔ (سنن ابی داؤد)

ملک شام ۶۳۶ء سے ۱۹۲۰ء تک مسلمانوں کے زیر نگیں رہا ہے، آخر میں سلطنت عثمانیہ کے تحت رہا، شریف مکہ نے برطانیہ کی شہہ پر خلافت عثمانیہ سے بغاوت کی، اوّلاً وہاں ایک کٹھ پتلی سرکار قائم ہوئی، ۱۹۲۰ء میں فرانس نے اس پر قبضہ کرلیا اور اس عظیم الشان ملک کو چھ ریاستوں میں تقسیم کر دیا، دوسری جنگ عظیم کے بعد فرانس کی طاقت کمزور پڑ گئی اور وہ یہ محسوس کرنے لگا کہ اب وہ شام پر اپنا قبضہ برقرار نہیں رکھ پائے گا ان حالات میں اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے ملک سے نکل جانا چاہئے، اس طرح ۱۹۴۶ء میں اس ملک کو فرانسیسی استعمار سے آزادی تو مل گئی لیکن وہاں عرصے تک کوئی مستحکم اور مضبوط حکومت قائم نہ ہوسکی، مختلف وقتوں میں کئی فوجی انقلاب آئے، کئی قومی حکومتیں بنیں، ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۶ء تک صرف دس برسوں میں یہاں بیس سے زیادہ حکومتیں قائم ہوئیں، چار سے زائد بار دستور بنا کر نافذ کئے گئے، اگلے چند برس بھی اسی اُتھل پتھل کی نذر ہو گئے، ۱۹۶۴ء میں حافظ امین برسر اقتدار آئے، ان کی حکومت میں اگرچہ ہر طبقے کی نمائندگی تھی مگر اصل اختیار فوج کو تھا، موجودہ صدر کے والد حافظ الاسد نے جو اس حکومت میں وزیر دفاع تھے ۱۹۷۰ء میں فوجی بغاوت کر کے حکومت پر قبضہ کرلیا، ان کے اقتدار کی کل مدت تیس سال ہے یہ شخص علوی نصیری تھا اس فرقے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن ہے اور اس کی تاریخ یہ رہی ہے کہ اس نے دشمنانِ اسلام کے ساتھ مل کر اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا ہے، حافظ الاسد نے برسر اقتدار آنے کے بعد سنی مسلمانوں کو کنارے لگا دیا، فوج اور حکومت کے تمام بڑے عہدے نصیری فرقے کے لوگوں میں تقسیم کر دئے، عملاً یہ ملک حافظ الاسد کی جاگیر بن گیا، جو بھی اس کے راستے میں آیا اس نے اسے حرف غلط کی طرح مٹا دیا، اس نے بیس ہزار علماء اہل سنت کو یا تو قتل کرا دیا یا جیلوں میں ڈلوا دیا، ۱۹۸۲ء میں سنی مسلمانوں نے شام کے شہر حماۃ میں حافظ الاسد کے ظلم و بربریت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا جسے فوجی طاقت کے بل پر کچل دیا گیا، دس ہزار لوگ مارے گئے، پورا شہر کھنڈر میں تبدیل کر دیا گیا، ۲۰۰۰ء میں حافظ الاسد کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا بشار الاسد حکمراں بنا، یہ بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر ہے، شیعہ نواز، سنیوں کا مخالف، ظالم اور جابر حکمراں کی حیثیت سے وہ اپنے باپ سے بھی دو چار قدم کچھ آگے ہی ہے۔

پانچ سال قبل عالم عرب میں بہار عرب کے عنوان سے تبدیلی کی جو لہر چلی تھی اس کا اثر اس ملک میں بھی محسوس کیا گیا، فروری ۲۰۱۱ء میں لوگ سڑکوں پر نکل آئے، وہ چالیس سال سے زیادہ لگی ایمرجنسی اور اس کے

نتیجے میں ڈھائے جانے والے مظالم کے خلاف احتجاج کررہے تھے، بشارالاسد کی فوجوں نے ان پُرامن مظاہرین پرتوپ کے دہانے کھول دئے، اس طرح حالات بگڑے اور بگڑتے چلے گئے، پورا ملک خانہ جنگی کا شکار ہوگیا، کئی تنظیمیں وجود میں آئیں، جو یہ طے کئے ہوئے ہیں کہ بشارالاسد کو ہٹا کر دم لیں گی، فوج بھی منقسم ہوگئی، پانچ سال کی اس مدت میں ڈھائی لاکھ سے زیادہ لوگ مارے گئے ہیں، لاکھوں لوگ نقل مکانی کرکے ترکی، لبنان اور دوسرے ملکوں میں پناہ گزین کی حیثیت سے رہنے پر مجبور ہیں، آج بھی ایک کڑوڑ اسی لاکھ سے زیادہ لوگ اس جنگ زدہ ملک میں موجود ہیں، جن میں بڑی تعداد شیعہ نصیریوں کی ہے، سنی مسلمان اول تو کم رہ گئے ہیں، جو ہیں وہ بشارالاسد کے بموں، توپوں اور گولیوں کے نشانے پر ہیں، ایک وقت ایسا بھی آیا جس میں لگتا تھا کہ بشارالاسد بس اب جانے ہی والا ہے مگر ۲۰۱۲ء میں ایران کی دہشت گرد تنظیم حزب اللہ بشارالاسد کی حمایت میں آگئی اور اس نے سرحدیں عبور کرکے سنی مسلمانوں کو نشانہ بنانا شروع کردیا، ستمبر ۲۰۱۳ء میں روس نے مداخلت شروع کی، اب صورت حال یہ ہے کہ بشارالاسد ایران اور روس کے ساتھ مل کر سنی آبادی کو نیست ونابود کرنا چاہتا ہے، دوسری طرف کچھ مسلم ممالک ہیں جو امریکہ کی قیادت میں سنیوں کا کمزور دفاع کررہے ہیں، بہ ظاہر شام کی سرزمین پر امریکہ اور روس دونوں ایک دوسرے سے لڑرہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں اس ملک کو تباہ وبرباد کرنے کے درپے ہیں، بین الاقوامی تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اس جنگ میں روس اور ایران کامیابی کے ہدف تک پہنچنے والے ہیں، جب کہ امریکہ، سعودی عرب اور ترکی اپنے مقصد کے حصول میں ناکام ہیں، اس صورت حال پر نظر رکھنے والے مبصرین کا کہنا ہے کہ شام کی اس جنگ میں روس اور امریکہ حریف نہیں حلیف ہیں، جن کا واحد مقصد بشارالاسد کے اقتدار کو مستحکم کرنا اور سنی مسلمانوں کا اس خطے سے صفایا کرنا ہے، دونوں نے داعش اور دولت اسلامیہ کا ہوا کھڑا کررکھا ہے جن کا کوئی زمینی وجود نہیں ہے، امریکہ اور روس دونوں فضائی حملے کررہے ہیں، بل کہ روس کے متعلق تو یہ بھی اطلاعات ہیں کہ روس نے ان حملوں میں کیمائی ہتھیار بھی استعمال کئے ہیں، شام کی سرزمین ان دونوں عالمی طاقتوں کے لئے میدان جنگ بنی ہوئی ہے، نقصان ملک کا ہورہا ہے ملک کے معصوم عوام ہلاک ہورہے ہیں، ان کے مکانات، اسکول، ہسپتال، عبادت گاہیں مسمار ہورہی ہیں، گذشتہ ایک ہفتے میں روس کے بمبار طیاروں نے ایک سو بیس فضائی حملے کئے، اور غوطہ شہر کو تباہ کرکے رکھ دیا، ابھی تک پانچسو تک ہلاکتوں کی خبریں ہیں جن میں سے ڈیڑھ سو معصوم بچے بھی ہیں، فی الحال جنگ بندی کا ڈراما رچا گیا ہے، اب امدادی ٹیمیں علاقے میں جائیں گی، مہلوکین اور زخمیوں کی صحیح تعداد اسی وقت معلوم ہوگی۔

(بقیہ صفحہ ۲۸ پر)

افاداتِ اکابر

عمل میں سب سے بڑی رکاوٹ نفس وشیطان ہیں

ازافادات: حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب مفتاحی مدظلہ العالی
بموقعہ پندرہ روزہ اصلاحی مجلس ادارہ اشرف العلوم
جمع وترتیب: مفتی احسان احمد صدیقی قاسمی*

قابل احترام اساتذہ کرام اورطلبہ عزیز!

احکامِ اسلام کاایک بڑاحصہ وہ ہے جس پرعمل کرناکسی کے نزدیک جرم نہیں ہے ہرکوئی خواہ وہ کوئی حکومت ہو یانجی ادارے ہوں ان احکام کی مزید حوصلہ افزائی کرتے ہیں بلکہ بہت سارے احکام تو وہ ہیں جن کے مطابق حکومتیں قوانین بنائی ہوئی ہیں جس کے خلاف عمل کرنانہ صرف شریعت کی نظرمیں بلکہ حکومت اورقانون کی نظرمیں بھی بہت بڑاجرم ہے، چناں چہ جھوٹ بولنا، دھوکہ دینا، چوری کرنا، دوسروں سے بلاوجہ چھیڑ چھاڑ کرنا، کسی پرظلم کرناوغیرہ بہت سارے اموراایسے ہیں جن کی کوئی شخص حوصلہ افزائی بھی نہیں کرتا بلکہ مسلمان، غیرمسلم، دین داروبے دین، پڑھے لکھے اوراَن پڑھ، ہرکوئی اس کوبُراسمجھتے ہیں، معلوم ہواکہ شریعت کے بے شمارمسائل ایسے ہیں جن پرعمل کئے بغیرہمیں کوئی چارۂ کارنہیں، صرف چندایک مسائل ایسے ہیں جن میں حکومت مداخلت کررہی ہے اگرچہ کہ ہمیں وہ بھی برداشت نہیں اوراس کابھی امکان بھرمقابلہ کررہے ہیں اورکرتے رہیں گے؛ لیکن غورطلب امریہ ہے کہ وہ اسلامی احکام جن کی انجام دہی سے کوئی خارجی رکاوٹ نہیں ہے ان میں کتنے ایسے مسائل ہیں جن کوہم انجام دے رہے ہیں؟ اگراس زاویہ سے ہم اپنی زندگیوں کاجائزہ لیں توبے شمارااحکامات ایسے ہیں جن کے انجام دینے میں ہمیں کوئی خارجی رکاوٹ نہیں ہے، پھربھی وہ ہمارے عمل سے خارج ہیں توآخر کونسی ایسی بات ہے جوہم کوان احکام پرعمل کرنے سے روکے ہوئے ہے؟ کونسا قانون ہے جوہمارے لئے ان مسائل پرعمل کرنے سے مانع بناہواہے؟ یہی دراصل غورطلب امرہےاوریہی وہ نکتہ ہے جس کواجاگرکرنا خانقاہوں کاکام ہے۔

دراصل دین اسلام پرعمل کرنے میں جوسب سے بڑی رکاوٹ ہے وہ ہمارااندرون ہے، نفس وشیطان ہیں، جس کی وجہ سے عمل کرناانسان پرگراں ہوجاتاہے، ان کی مخالفت کے ساتھ عمل کرنے میں تکلیف ہوتی ہے

*استاذشعبہ عالمیت ادارہ ہذا

اور کیوں نہ ہو جب کہ اللہ نے ہم کو مکلف بنایا ہے اور مکلّف تکلیف سے مشتق ہے، اس کے اصل معنیٰ پابندی کرنے کے ہیں اور پابندی میں کسی قدر تکلیف تو ہوتی ہی ہے اگر یہ تکلیف گوارا نہیں کریں گے تو پھر جنت وجہنم کا سوال ہی نہیں ہے، جنت کی نعمتیں تو اس لئے ہیں کہ ہم نے اپنے نفس کی مخالفت کی تکلیف برداشت کی اور اللہ کی فرمانبرداری پر ڈٹے رہے، بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ نفس کی جتنی مخالفت کی جاتی ہے وہ اتنا ہی کمزور ہوتا چلا جاتا ہے، یہی تو فرق ہے اندرونی اور بیرونی دشمن میں، بیرونی دشمن کی اگر بات مان لی جائے تو وہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اس کا زور ختم ہو جاتا ہے، اگر کتا بھونکتا ہے تو اس کو ہڈی ڈالدی جائے، روٹی پھینک دی جائے تو وہ خاموش ہو جاتا ہے، لیکن اندرونی دشمن نفس کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے، اس کا زور اس کی اطاعت سے کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے یہ بھی ایک شیطانی وسوسہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ نفس کے تقاضے کو پورا کرلیں گے تو ذہنی یکسوئی ہو جائے گی، حالاں کہ بات ایسی نہیں ہے اگر ایک مرتبہ اس کے تقاضے کو پورا کیا جائے تو اگلی مرتبہ وہ اور شدت سے تقاضا کرے گا، اس لئے اس کا علاج یہی ہے کہ نفس کے تقاضوں کی خوب جم کر مخالفت کی جائے اس سے نفس کا زور کم ہو جاتا ہے اور وہ اطاعت پر کاربند ہو جاتا ہے، جیسے جانور کو جب ٹریننگ دینا ہوتا ہے تو اس کو ان جانوروں کے درمیان چھوڑ دیا جاتا ہے جو تربیت یافتہ ہوتے ہیں جب اس کی بھی تربیت ہو جاتی ہے تو اب اس کے پیچھے بہت زیادہ محنت کی ضرورت نہیں رہتی، اگر وہ تھوڑا بھی مالک کے منشا کے خلاف کرتا ہے تو صرف مالک کا کوڑا دکھانا ہی اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی جب ہم اچھے ماحول میں تربیت پا کر نفس کی مخالفت کے عادی ہو جائیں گے پھر کبھی نفس گناہ کا خیال دل میں ڈالے تو اللہ کے دیکھنے کا استحضار اور اس گناہ پر بیان کی گئی وعیدوں کو یاد کرنے سے وہ خیال صاف ہو جائے گا۔

الغرض یہ تو اندرونی دو دشمن تھے؛ جنھیں آپ نے دیکھ لیا (فرمایا: دیکھا یا نہیں!) آپ لوگوں کو اعتراض جواب کی عادت رہتی ہے ممکن ہے آپ میں سے کوئی یہ اعتراض کر بیٹھے کہ آپ ہی نے ابھی کہا تھا کہ یہ اندرونی دشمن نظر نہیں آتے پھر آپ ہی پوچھ رہے ہیں کہ کیا آپ نے دیکھ لیا؟ یہ تو اجتماعِ ضدین ہے، اس کو یوں سمجھئے کہ آپ انگور کی بنڈی پر گئے اور پوچھنے لگے کہ کیا انگور میٹھا ہے، اس نے ایک انگور توڑ کر دیا اور کہا کہ تم ہی دیکھ لو میٹھا ہے کہ کھٹا؟ حالاں کہ آنکھوں سے اس کی مٹھاس دیکھی نہیں جاتی لیکن اس پر بھی دیکھنے کا اطلاق کیا جاتا ہے) بہرحال دو دشمن نفس وشیطان کو تو آپ نے دیکھ لیا اس سے بچنے کا اہتمام کریں مزید دو دشمن ہے جس سے پرہیز کرنا بہت ضروری ہے وہ ہے بُری صحبت اور بُرا ماحول۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں توفیق عمل نصیب فرمائے۔

دعوتِ فکر وعمل

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے

مولانا خواجہ نصیر الدین قاسمی*

انسان اپنے عظیم حوصلے، قوت ہمت سے ہزاروں فتوحات حاصل کر لینے، ترقیات کی ہمالیائی بلندیوں کو چھو لینے، بحر وبر کی طویل مسافتوں کو صبا رفتار سواریوں سے عبور کر لینے، فلکیات کے رازہائے سربستہ سے پردہ اُٹھا لینے بلکہ منٹوں اور سکنڈوں میں مواصلاتی نظام کی مدد سے ہواؤں پر ایک گونہ قدرت حاصل کر لینے کے باوجود اس قدر عاجز وبے بس ہے کہ لمحاتِ زندگی کو شمار کر لینا، مدتِ حیات جان لینا، موت کی آہٹ محسوس کر لینا، پروازِ روح کو ہمیشہ نہ سہی کچھ مدت کے لئے جسم کی قید میں بند کر لینا، ملک الموت سے بازیٔ حیات جیت لینا، اموال واولاد کے نذرانے پیش کر کے زیست مول لینا، یا کم از کم حزب الموت سے زندگی کی کچھ اَور سانسیں مانگ لینا، اس کے بس سے باہر ہے۔

زندگی میں صبح وشام کی طرح، سورج کے طلوع وغروب کے مثل، چاند کے ظہور وغیوب کی مانند، کھیتوں کی لہلاتی شادابی اور زرد پڑتی مُرجھاتی بالیوں جیسے سینکڑوں نظارے بقا وفنا کے زمزمے گا رہے ہیں، صفحاتِ ہستی پر نقش اقوامِ عالم کے عروج وزوال، آبادیوں وویرانیوں کے حادثات وواقعات درسِ عبرت دے رہے ہیں، اور یہ صدائیں ہمارے کانوں سے بار بار ٹکرا رہی ہیں کہ شاہوں کی شاہی، فقیروں کی گدائی، بہادروں کی شہسواری، حسینوں کی دلفریبی، زرنوازوں کی دریا دلی، متکبروں کا کبر ونخوت، ذہینوں کی ذکاوت، اصحابِ خرد کی فطانت، اہل علم وفضل کی قدر ومنزلت، صوفیاء واتقیاء کی عزت ومسکنت، صحابہ واولیاء کی ولایت حتیٰ کہ انبیاء و رسل کی نبوت ورسالت کوئی چیز بھی موت کی راہ میں حائل نہ ہوئی، موت نہ کسی کے جاہ وجلال اور مال ومنال سے متاثر ہوئی، نہ کسی کے حسن وجمال، عزت ورفعت سے مرعوب ہوئی، نہ کسی کی خستہ حالی، ذلت ومسکنت پر ترس کھائی، نہ کسی کی ثروت وشوکت سے گھبرائی، نہ کسی بوڑھے کو مہلت دی نہ کسی جوان کو بخشا، ہر ایک کے لئے اس کا یہی پیغام رہا۔

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

اجل نے نہ کسراہی چھوڑا نہ دارا اسی سے سکندر سا فاتح بھی ہارا

ہر ایک لے کے کیا کیا نہ حسرت سدھارا پڑا رہ گیا سب یہی ٹھاٹھ سارا

بے شمار انسان لقمۂ اجل بن رہے ہیں، ٹی وی اور موبائل اسکرین پر جلتی، کٹتی، قتل ہوتی، ڈوبتی لا تعداد لاشوں کو انسان اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے، اخبارات ورسائل میں وارداتی، حادثاتی اور طبعی اموات کی خبریں روز پڑھ رہا ہے، عزیز واقارب، اہل وعیال، اعزہ واحباب کے جنازے کندھوں پر اٹھا رہا ہے، اور ہاتھوں سے کفن دے کر پیوندِ خاک کر رہا ہے لیکن آہ۔۔۔۔

وہ اپنی موت سے بے خبر، اپنے کفن ودفن کے تصور سے خالی، اپنی تجہیز وتکفین کے خیالات سے عاری ہو کر اس ناپائدار زندگی کے لمحات یونہی بِتا رہا ہے، غفلت ونسیان کا یہ عالم ہے کہ قبرستان کی ہزاروں قبریں بھی اس کے دل پر کچھ اثر نہیں کر رہی ہیں، آنکھیں خشک ہو چکی ہیں، جذبات واحساساتِ قلب سرد پڑ چکے ہیں، اعضاء وجوارح کسی خوف وہراس کے بغیر تدفین میں مشغول ہیں، حاضرین ووار دین دنیا جہاں کی باتوں میں ایسے مگن ہیں جیسے یہ جنازے میں نہیں بلکہ کسی تقریبِ خانہ میں شریک ہیں؛ مرحومین کے لئے ایصالِ ثواب، اپنی موت کا دھیان، گورستان سے فنائیت کا سبق اور فکرِ آخرت، غفلت کی زندگی کو بیداری میں تبدیل کرنے کا عزم، اعمالِ صالحہ کر کے آخرت سنوار لینے کا داعیہ وغیرہ یہ سب باتیں ہمارے سماج سے جنازوں کی طرح رخصت ہوتی جارہی ہیں؛ جبکہ احوال قبر، حشر ونشر، روزِ قیامت جزاء وسزا ہمارے عقیدۂ آخرت اور ایمانیات کا نہ صرف حصہ ہے بلکہ اعمالِ مقبولہ پیدا کرنے کا موثر ترین ذریعہ ہے۔

اگر تنہائی میں ہم اپنے آپ سے سوال کریں کہ آخر اس بے حسی اور غفلت بھری زندگی کا سبب کیا ہے؟ تو غور کرنے اور سوچنے سے معلوم ہوگا کہ دنیا سے حد درجہ لگاؤ اور آخرت سے بے رغبتی نے ہمارے جینے کے ڈھنگ بدل دیئے ہیں، فکر ونظر کو گھن لگا دیا ہے، دنیا ہی کو سب کچھ سمجھنے لگے ہیں، اور خواہشاتِ نفسانی کو مقصد زندگی بنالیا ہے۔

چنانچہ کتاب اللہ میں حق تعالیٰ نے، احادیث مبارکہ اور اپنے اسوۂ حسنہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی انسانی مرض کا تریاق جو تجویز فرمایا ہے، وہی ہماری حالت بدل سکتا ہے؛ اسلامی تعلیمات میں دو حقیقتیں جا بجا ملیں گی (۱) دنیا کی بے وقعتی وزوال (۲) آخرت کی اہمیت ودوام

اللہ تعالیٰ دنیا کی حقیقت سے پردہ اٹھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

(سورۃ الانعام)

اور دنیا کی زندگانی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ بس (چند دنوں کا) کھیل تماشا ہے، اور آخرت کا گھر ہی بہتر ہے اُن لوگوں کے لئے جو پرہیز گاری کے ساتھ زندگی گذارتے ہیں (افسوس تم پر!) کیا تم اس بات کو سمجھتے نہیں

ایک اور جگہ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

(سورۃ النساء)

اے پیغمبر! آپ ان لوگوں کو بتلادیجئے کہ دنیا کا سرمایہ تو بہت ہی قلیل ہے، اور آخرت بہتر ہے پرہیز گاروں کے لئے

چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحابِ کرامؓ کے ساتھ ایک مردار بکری کے بچے کے پاس سے گذرے تو صحابہؓ سے پوچھا کہ تم میں سے کوئی اس مردار بکری کے بچہ کو ایک درہم میں خریدے گا؟ تو عرض کیا گیا کہ ایک درھم تو کیا بے قیمت خریدنا بھی ہم پسند نہیں کریں گے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے خدا کی! دنیا، اللہ کے نزدیک اس سے زیادہ ذلیل اور بے قیمت ہے جتنا تمہارے نزدیک یہ مردار بچہ بے قیمت ہے

ایک اور موقعہ پر آپ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''دنیا میں ایسے رہو جیسے تم پردیسی یا راہ چلتے مسافر ہو'' ایک اور جگہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والوں کی تعریف اور خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ہوشیار اور دانا وہ ہے جو اپنے نفس کو قابو میں رکھے اور موت کے بعد کے لئے (یعنی آخرت کی نجات و کامیابی کے لئے) عمل کرے اور نادان و عاجز وہ ہے جو اپنے کو اپنی خواہشات کا تابع کردے (اور بجائے احکامِ خداوندی کے اپنے نفس کے تقاضوں پر چلے) اور اللہ سے (بخشش کی) امیدیں باندھے۔

دیکھا آپ نے! کس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا کی بے وقعتی صحابہؓ کے سامنے بیان کررہے ہیں اور آخرت کی رغبت دلا رہے ہیں، اس کا اثر یہ ہوا کہ صحابہؓ کی زندگیوں کے دھارے بدل گئے، دنیا ان کی نظر میں نہایت حقیر و ذلیل اور آخرت کا ذوق اور لقائے رب کا شوق ان کے دلوں کی آخری تمنا بن گئی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آخرت کی جواب دہی کا احساس پیدا کر کے اعمال صالحہ کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ وَاَخَّرَتۡ﴿۵﴾ (سورۃ الانفطار)

ہر شخص اپنے پچھلے اگلے اعمال کو جان لے گا،

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ ۚ (سورۃ الحشر:۱۸)

اے ایمان والو! (تم نے نافرمانی کا انجام سُن لیا سوتم) اللہ سے ڈرو، اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے کیا (ذخیرہ) بھیجا ہے۔

یعنی اعمالِ صالحہ میں کوشش کرو جو کہ ذخیرہ آخرت ہیں۔

نبی کریم ﷺ امت کے دلوں میں خشیتِ خداوندی اور آخرت کی طلب وفکر پیدا کرنے کے لئے موقعہ بہ موقعہ قولاً وعملاً آخرت کی یاد تازہ کرتے اور قبلہ دل دنیا سے ہٹا کر آخرت کی طرف موڑ دیتے، آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ ہیں اور زبان مبارک پر یہ کلمات ہیں اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ کہ اے اللہ! زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے؛ نمازوں میں اکثر وہ سورتیں تلاوت فرماتے جس میں قیامت کی ہولنا کیوں اور بارگاہِ حق میں حاضری وپیشی کا تذکرہ ہوتا، ذاتِ اقدس پر اس کا اثر طبعاً ہونا تھا ہوا، صدیق اکبرؓ نے یہ حال دیکھ کر فرمایا شبت یارسول اللہ! اے اللہ کے رسول ﷺ آپ پر بڑھاپا آ گیا ہے اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ عم یتسائلون، سورۂ اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔ اندازہ لگایئے کہ باوجود معصوم ومغفور ہونے کے آپ ﷺ آخرت کے تعلق سے کس قدر فکرمند تھے اور انہی بار بار کے تذکروں سے صحابہؓ میں قیامت اور یومِ آخرت کا کیسا احساس پیدا ہوا؟ خود ان کا بیان ہے کہ ہمارا حال یہ تھا کہ ذرا ہوا تیز چلتی تو ہم قیامت کے خوف سے مسجد کی طرف دوڑ پڑتے۔ سبحان اللہ!

سوچئے! اور بار بار سوچئے! کیا ہماری غفلتوں کا یہ سبب نہیں کہ ہمیں دنیا مرغوب ہو چکی ہے اور ہم آخرت سے اتنے متنفر ہیں کہ ''موت'' کا لفظ زبان پر لانا بھی ناگوار ہے، کیا ہم دنیا کے دھوکے اور فریب میں مبتلا نہیں ہو گئے اور آخرت ہمارے ذہنوں سے اُوجھل نہیں ہو گئی؟ اس روگ کا علاج قرآن پاک کی آیات، احادیث مبارکہ اور اسوۂ حسنہ میں غور کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے گھروں اور یومیہ محافل ومجالس میں دنیا کے زوال وفنا اور اس کی دنائت وبے وفائی کا بار بار تذکرہ کیا جائے، فکرِ آخرت کو غالب کیا جائے، قیامت کے احوال پڑھے جائیں، موت کی تیاری والے اعمالِ صالحہ کثرت سے کئے جائیں، جنازوں اور حادثاتی اموات سے عبرت لی جائے، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ وتابعین کے خوفِ آخرت کے واقعات کا مطالعہ اور مذاکرہ کیا

جائے ،تو ہمارا یہ تصور بدلے گا کہ عالم دوبارہ نہیں اسی دنیا میں عیش ومستی کرلو،اور یہ دھیان جمے گا کہ دنیا مومن کے لئے سرائے سے زیادہ کچھ نہیں ہے اوروطن اصلی تو آخرت ہے۔

یہ تیری غفلت ہے بے عقلی بڑی
مسکراتی ہے قضا سر پر کھڑی
موت کو پیش نظر رکھ ہر گھڑی
پیش آنے کو ہے یہ منزل کڑی

تفصیلات ماہنامہ اشرف الجرائد حیدرآباد

حسب قاعدہ نمبر ۸ ملکیت کے بارے میں

نام رسالہ :اشرف الجرائد

وقفۂ اشاعت :ماہانہ

ایڈیٹر/ پرنٹر/ پبلشر :محمد عبدالقوی

قومیت :ہندوستانی

پتہ :ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

عائش آفسیٹ پرنٹرس،مسجد معراج،کرماگوڑہ،سعیدآباد،حیدرآباد

مقامِ اشاعت :ادارہ اشرف العلوم خواجہ باغ کالونی،سعیدآباد،حیدرآباد

مالک :محمد عبدالقوی

میں محمد عبدالقوی اعلان کرتاہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم ویقین میں صحیح ودرست ہیں۔

دستخط

محمد عبدالقوی

نقوشِ رفتگاں

آہ! میرے ہم درس ساتھی اور مخلص دوست

از: مولانا عبدالقادر فرید قاسمی*

فجر کی نماز پڑھا کر اپنے گھر جارہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی دیکھا تو میرے ماموں جناب حافظ عبدالولی صاحب دامت برکاتہم نائب ناظم ادارہ اشرف العلوم کا فون تھا، قلبی خدشے کے ساتھ فون ریسو کیا، علیک سلیک کے بعد یہ خبر دی کہ حافظ عظمت اللہ صاحب کا حیدرآباد کے قریب گنٹور سے آتے ہوئے کار حادثہ ہوا ہے۔۔۔۔ کچھ دیر توقف کے بعد یہ خبر سنائی کہ اب وہ دنیا میں نہیں رہے کیا تم ہمارے ساتھ چلو گے؟ میں نے جواب دیا کہ ابھی راستہ میں ہوں، ابھی کچھ دیر میں آپ کے پاس پہونچوں گا، میری سواری آگے ضرور بڑھ رہی تھی مگر میں کچھ پندرہ بیس سال پہلے کا سفر کررہا تھا، کیوں کہ وہ میرے ہم درس ساتھی اور ایک مخلص دوست بھی تھے دل کو یقین نہیں آرہا تھا بالآخر اپنے بکھرے حواس کو مجتمع کرکے ناقابل یقین کیفیت کے ساتھ تین دفعہ سورۂ اخلاص پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہوئے مدرسہ کے قریب آپہونچا، دیکھتا کیا ہوں کہ بعض ذمہ دارانِ مدرسہ محوِ حیرت، مجسمِ غم کھڑے ہوئے ہیں، راقم السطور اور حافظ عبدالمحصی صاحب، حضرت نائب ناظم صاحب ہم رکاب ہوئے میں نے ایک سے زائد دفعہ اثنائے سفر حافظ عبدالمحصی صاحب سے سوال کیا کہ حادثہ کے بعد کچھ امید باقی ہے یا پھر۔۔۔؟ حافظ عبدالمحصی صاحب نے جواب دیا کہ یہ خبر یقینی ہے کہ حافظ صاحب کی شہادت ہوچکی ہے، ہم کو جلدی پہونچنا ہے دیگر احباب جو مرحوم کے ساتھ ہم سفر تھے وہ کافی سہمے ہوئے، تنہائی محسوس کر رہے ہیں، درمیان سفر مرحوم کے ماضی کے خلوص و وفا اور دینی فکروں کے واقعات چلتے رہے تھوڑی ہی دیر میں ہم اس ہاسپٹل پہنچ گئے جہاں مرحوم کو حادثہ کے بعد لایا گیا تھا، اسی علاقہ کے قطب شاہی مسجد کے امام حافظ امجد صاحب ــــ جو اپنا اچھا خاصا اثر رسوخ رکھتے ہیں ــــ کی وساطت اور تعاون سے اس کمرے کو کھلوایا گیا جس میں مرحوم کو رکھا گیا تھا، دیکھنے کی تاب نہ تھی جس کو ہم نے ہمیشہ ہنستا ہنسا تا دیکھا تھا اب اس کو خاموشی کی حالت میں دیکھنا گوارا نہیں تھا لیکن کیا کریں، رضا بالقضا ہمارے ایمان کا جز ولاینفک ہے، اپنے بھاری قدموں کو اٹھاتے ہوئے اس کمرہ میں داخل ہوئے تو خون سے لت پت جسم پر نظر پڑی دل کانپ گیا نہ جانے کس قدر

---

*استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

تکلیف ہوئی ہوگی، جب چہرہ پر نظر پڑی تو یوں لگا جیسے زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں،ـــــ موت سے مت ڈرا مجھے، نیند سے مت جگا مجھےـــــ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، ان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شیئی عندہ باجل مسمیٰ

ہمارے ادارے سے مرحوم موصوف کا ہمہ جہتی تعلق تھا وہ اس ادارہ کے جہاں فیض یاب تھے وہیں فیض رسا بھی، اس ادارہ سے خوشہ چینی اور فیض یابی کا سلسلہ میری اپنی یادداشت کے مطابق کچھ اس طرح شروع ہوا کہ اپنے شفیق ومربی استاذ حافظ وقاری عثمان صاحب کے ہمراہ قرآن مجید کے دور کی نیت سے آئے تھے، قاری صاحب کا مرحوم سے بڑا گہرا تعلق تھا وہ ہمیشہ مرحوم کی تعلیم وتربیت کی فکر فرماتے رہتے تھے، جب کبھی حیدرآباد تشریف لاتے تو شوق کی مہمیز اور امید کا چراغ مرحوم کے دل میں روشن کر کے جاتے، اور اس شاگرد کا بھی قاری صاحب سے اتنا مضبوط تعلق تھا کہ ان کی آمد پر چہرہ کھل اُٹھتا، خوشی کا ایسا سماں ہوتا جیسے کوئی بچہ اپنے باپ سے ملنے آیا ہو، مرحوم کے دورِ قرآن مجید کے لئے ادارہ کے جس استاذ کے نام قرعہ فال نکلا وہ ادارے کے موجودہ نائب ناظم ہیں جو اس وقت اپنے تدریسی کمالات، عمدہ تجربات، بےلوث خدمات، طلبہ سے بے پناہ لگاؤ، ان کے تابناک مستقبل کی تدابیر کی وجہ سے بے تاج بادشاہ، ایسی بھٹی میں رہ کر نہ سنورنے کا سوال ہی نہ تھا بالآخر مرحوم کے اندر اس وقت حفظ کی پختگی اور تجوید میں جو نکھار پیدا ہوا وہ قابل شنید تھا، پھر اللہ پاک نے مرحوم سے اپنے کلام پاک کی جو عظیم خدمت لی ہے وہ قابلِ دید رہی، مدرسہ کے داخلہ کے زمانہ سے لے کر تادم واپسیں استاذ اور شاگرد کے درمیان ایسا گہرا ربط اور تعلق تھا کہ دونوں کے آبگینۂ محبت میں بال تک نہیں آیا، کسی استاذ اور شاگرد کے درمیان یہ بےلوث ربط وتعلق خال خال ہی نظر آتا ہے، پھر اس ادارہ میں شعبہ عالمیت میں داخلہ لیا، اعدادیہ تا سوم عربی پورے انہماک کے ساتھ تعلیم میں لگے رہے، سب اساتذہ کرام کے منظورِ نظر رہے، کبھی خموشی کبھی ظریفانہ مزاج کی وجہ سے کلاس کے ہر ساتھی سے یکساں تعلق رہتا تھا، ذہن بھی اچھا تھا کتابوں پر دسترس بھی حاصل تھی، لیکن تقدیر میں اس کلی کا پھول بننا منظور نہ تھا، مسلسل دردِ شکم کی وجہ سے ترکِ تعلیم کرنا پڑا لیکن حقیقت ہے کہ کلیوں میں پھولوں سے زیادہ نزاکت اور حسن وجمال ہوتا ہے، پھر ہوا ایسے ہی کہ ادارہ کے استاذ اور طلبہ کی تربیت کے نگران بنائے گئے، جب تک ادارہ میں برسرِ خدمت رہے کامیاب مدرس اور ہوش مند منتظم کی حیثیت سے رہے، بیسیوں بچوں نے مرحوم کے پاس قرآن مجید کی تکمیل کی جو مرحوم کے لئے ذخیرۂ آخرت اور امیدِ بخشش ہیں۔

طلبہ کی تربیت کی فکر کرنا، ان کی نفسیات کو سمجھنا، عمروں کے لحاظ سے بچوں کے درمیان فرق کرنا، ہر ایک کی

جداگانہ مزاجوں کے لحاظ سے تربیت کرنا، برسوں انہیں کے درمیان مقبول بن کر رہنا اگر کرامت نہیں تو یہ کرامت سے کچھ کم نہیں ہے، یہ رازہائے سربستہ وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو اس پُرخار راہ سے گذرے ہیں، ہرعمر کے طلبہ پر قابو پانا پھران کے درمیان مقبول ومحبوب بن کر رہنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، مرحوم کا یہ وہ کارنامہ تھا جس کو وہ بہ حسن وخوبی انجام دیتے رہے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ خودرائی وخودستائی کے اس دور میں وہ اپنے دورِ قرآن کے استاذ کے ہم رنگ تھے، طلبہ کی تربیت کی ہر گتھی ان ہی سے سلجھاتے، ان کے ہی کے رائے مشوروں پر عمل کرتے تھے، کم وقت کے اندر ہی وہ نکھر چکے تھے اور اپنے شخصیت منوا چکے تھے، پھر حالات کا رخ کچھ اس طرح بدلا کہ وہ اپنی ذاتی مجبوریوں اور اپنے علاقے کے تقاضوں کی وجہ سے ادارہ کی خدمت کو خیرباد کہہ کر اپنے وطن منتقل ہو گئے، ایک کامیاب مدرس کا چلا جانا، مدرسہ اور ذمہ دارانِ مدرسہ کے لئے ایک داغِ مفارقت سے کم نہ تھا اِسی درد کا اظہار حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم نے جنازہ سامنے رکھ کر کیا تھا، اسی سے ان کی تدریسی وتربیتی کامیابی کا، پھر ان کے یہاں سے جانے پر حضرت ناظم صاحب کے دردِ دل اور ان کے قلبی تعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے ادارہ کے محسن کا احسان ہمیشہ یاد کرتے رہے۔فجزاھما اللہ احسن الجزاء

اپنے وطن منتقل ہونے کے بعد ذریعہ معاش کے لئے اپنی خاندانی روایات سے ہٹ کر اپنے ہم عمر رشتہ داروں کی مالی فراوانی اور کامیاب تجارت سے متاثر ہوئے بغیر قرآنی خدمت میں سرگرم عمل ہو گئے، اپنے ہی محلہ کی ایک مسجد میں امامت اور تبلیغی تقاضوں کو پوری مستعدی کے ساتھ سرانجام دیتے رہے، عصری تعلیم پڑھنے والے بچوں کی اسلامی تشخص اور ان کے دینی ماحول کی برقراری کے لئے ہمیشہ کوشاں رہے، حفظ القرآن کے مسابقے کرانا، اسکول کے بچوں میں دینیات اور اسلامیات کے مقابلے منعقد کرانا، پھر ان کی ہمت افزائی کے لئے پروگرام رکھنا یہ مرحوم موصوف کا صبح وشام ہی نہیں زندگی بھر کا مشغلہ رہا، دم توڑتے مدرسوں میں اپنے حسنِ انتظام سے نئی جان ڈالنا، خموش تحریکوں میں روح پھونکنا، منجمد تنظیموں سے تعطل ختم کر کے کارآمد بنانا یہ ان کا صرف شوق ہی نہیں جذبۂ دین کا حصہ تھا، میں نے اپنے کانوں سے ان کے ہم وطن علماء کو برملا مرحوم موصوف کے حسنِ انتظام، مناسب آرا، تحرک وتحریک کا اعتراف کرتے ہوئے سنا ہے، گرچہ وہ فقط حافظ تھے مگر اپنے علاقے گنٹور کی مجلس العلماء کے روحِ رواں تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کی امید لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناموس کے تحفظ کی خاطر اکثر تنظیمی کام یہ ایک فرد، ایک انجمن کی طرح کرتا تھا، کان سعیکم مشکوراً۔اپنے علاقے کے بچوں کی دینی ذہن سازی پھر حفظ قرآن کی تشویق پھر عالمیت کے لئے راہیں ہموار کرنا، نیتیں کمزور پڑتے وقت

ہمتوں کی کمک پہنچانا، تنگ دستی کی شکایت پر تنگ دست کی خودداری پر حرف آئے بغیر مدد کر کے پڑھائی جاری رکھنے کی تاکید کرنا پھر عالم بننے کے بعد مناسب جگہ کام پر لگانا، وہاں کچھ حالات پیش آنے پر تعاون کرنا، غیر محسوس طریقہ سے آسرا بننا، یہ وہ مبارک کام تھے جو مرحوم نے اپنی آخرت کے واسطے بطور توشہ تیار کر چکے تھے، اس کام کے میدان میں شدبد تجربہ رکھنے والا بھی ان کارناموں کو پڑھ کر اس بات کی گواہی دے گا کہ یہ ایک فرد کا کام نہیں بلکہ ایک انجمن کا کام ہے، لیکن اللہ نے ایک حافظ قرآن سے یہ سب کام لیے، ذٰلك فضل الله يؤتيه من يشاء

رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی، درسی ساتھیوں کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی، دوستوں کے ساتھ ظرافت اور بلا کی بے تکلفی جس میں ان کی زبان ومزاج اور مخصوص لب ولہجہ کی آمیزش ہوتی جو کیف وسرور کو فزوں تر کر دیتی، مجلس ختم کرنے کو جی نہ چاہتا، یہ وہ اوصاف تھے جو قدرت نے وافر مقدار میں مرحوم کو عطا کیے تھے، ہر ایک کی مصیبت میں کام آنا اپنوں اور غیروں کے امتیاز کے بغیر تعاون ونصرت کرنا خصوصاً نوجوان فضلاء کا ساتھ دینا، ان کی پریشانیوں میں ڈھارس بنے رہنا، قصہ مختصر یہ کہ قدرت نے اس مشتِ خاک میں بہت سی خوبیاں رکھی تھیں۔

یہ چند محاسن وخصوصیات تھیں جو قلم برداشتہ میں نے لکھ دیں، حقیقت یہ ہے کہ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید، جنازے میں چاہنے والوں کا ہجوم جو بسیار منت سماجت کے بعد بھی قابو میں نہیں آرہا تھا، اہل علم ودانش، عوام الناس کی کثیر تعداد کی شرکت عنداللہ وعندالناس مقبولیت کو سمجھنے اور مغفرت کی امید لگانے کیلئے بہت کافی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ اپنے فضل سے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور خزانۂ غیب سے ان کا تکفل فرمائے اور مرحوم کے شاگردوں کو استقامت کے ساتھ دین پر چلنے اور اپنے استاذ کے لئے صحیح معنیٰ میں ذخیرۂ آخرت بننے کی توفیق نصیب فرمائے، اور ہم تمام لوگوں کو اس صدمے سے سبق حاصل کر کے اپنی آخرت سنوارنے کی سعادت میسر فرمائے۔ آمین

نقوشِ رفتگاں

مگر جو جانِ انجمن تھا وہ کہاں چلا گیا

حافظ محمد عبد المحصی کلیم *

ایک بڑا عالمِ دین، پرہیزگار و متقی اور بہترین مدرس و نگران بن جانا واقعی کمال اور خوبی کی بات ہے؛ لیکن اِس سے بڑی خوبی اور کمال یہ ہے کہ آدمی ایک اچھا اور بہترین انسان بنے، آدمی سے انسان بننے تک کا سفر بڑا دشوار گزار بھی ہوتا ہے اور طویل بھی؛ لیکن یہ میرے دوست حافظ عظمت اللہ مرحوم کی خصوصیت رہی کہ انہوں نے یہ سفر بہت کم عرصے میں پورا کرلیا، میری نظر میں ان کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ وہ ایک اچھے اور باکمال انسان تھے، ایک ایسے انسان کہ اپنے ہاتھوں سے انہیں اٹھانے اور اپنے ہاتھوں سے غسل دینے کے باوجود ان کی جدائی اور ان کے انتقال کا مجھے اب تک یقین نہیں ہے:

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے — زمیں کی رونق چلی گئی ہے، افق پہ مہر مبیں نہیں ہے
تری جدائی میں مرنے والے! وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے — مگر تری مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

پیدائش اور ابتدائی تعلیم:

سنہ 1981ء میں شہر آندھرا پردیش کے ایک زرخیز شہر گنٹور میں جناب محمد شریف صاحب کے گھران کی ولادت ہوئی تھی، ابتدائی تعلیم ایک مکتب میں حاصل کرنے کے بعد حافظ قاری عثمان صاحب کی زیرِ نگرانی 12، 13 سال کی عمر میں ہی حفظ قرآن مجید بھی انہوں نے ختم کرلیا تھا، 1993 تا 1998 اعدادیہ تا چہارم عربی تک ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد میں عالمیت کی تعلیم حاصل کی تھی، زمانہ طالب علمی میں وہ سعادت مند، محنتی، پڑھنے میں ممتاز، ملنسار، انتہائی سنجیدہ، مضمون نگاری کے مشتاق اور اپنے اساتذہ کے نورِ نظر سمجھے جاتے تھے، پھر دوسرے بہت سے بڑے لوگوں کی طرح حالات، اعذار اور مجبوریوں نے انہیں تعلیم ترک کرنے پر مجبور کردیا۔

تدریسی خدمات اور حالات:

1998 میں سراج العلوم نمبور میں اگرچہ ششماہی کے بعد ایک استاد کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا تھا؛ مگر سال ختم ہونے سے پہلے ہی وہ ایک بہترین اور کہنہ مشق استاد کی پوزیشن حاصل کرچکے تھے، جیسے 2018 کا یہ

---

* صدر شعبہ اکبر باغ، ادارہ اشرف العلوم

سال حافظ عظمت اللہ کے انتقال کی وجہ سے مجھ جیسے بہت سے لوگوں کے لیے ایک غم واندوہ کا سال ہو گیا ہے ایسے ہی 1999ء کا سال حافظ عظمت اللہ کے لیے ان کی عزیز از جان والدہ محترمہ کے انتقال کی وجہ سے ایک حزن وملال کا سال رہا، اس وقت وہ صرف اٹھارہ سال کے تھے، اس عمر میں والدہ محترمہ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کی وجہ سے وہ بہت مغموم اور افسردہ رہا کرتے تھے، 2000ء کے اواخر میں جب مدرسہ سراج العلوم حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم ناظم ادارہ اشرف العلوم کی سرپرستی سے محروم ہوا تو مرحوم حافظ عظمت اللہ بھی اپنے چند مخصوص اور متعلق طلبہ کو لے کر ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد آ گئے ان طلبہ پر بڑی محنتیں کی، انہیں لائق فائق بنایا، آج وہ طلبہ حافظ قرآن اور عالم دین بن کر اپنے اپنے علاقوں میں بہترین خدمات انجام دے رہے ہیں، پانچ سالوں تک ادارے میں ایک ماہر استاد اور مشفق نگران کی حیثیت سے کام کرتے رہے، ہم دونوں ہی اس وقت ادارے میں طلبہ کی نگرانی کیا کرتے تھے، عام طور پر نگرانیوں میں اونچ نیچ ہو جاتی ہے، نگرانوں کے درمیان نااتفاقی پیدا ہو جاتی ہے؛ مگر مجھے اپنے اس مرحوم دوست سے کبھی کوئی شکایت نہیں رہی، ہمیشہ ان کا مخلصانہ تعاون میرے ساتھ رہا، ہم دو نگرانوں کی طرح نہیں؛ بلکہ دو گہرے دوستوں کی طرح رہا کرتے تھے، 2003 میں جب ان کی شادی ہوئی اور یہاں حیدرآباد میں رہنا باوجود کوششوں کے مشکل ہو گیا تو اپنی اہلیہ کے ساتھ وہ 2005 کے بعد دوبارہ گنٹور منتقل ہو گئے، 2012 تک انہی کے استاذ محترم حافظ قاری عثمان صاحب کے مدرسے دارالعلوم محمدیہ میں خدمات انجام دی، دو سال تک مولانا حبیب اللہ صاحب کے ادارے جامعہ خدیجۃ الکبریٰ نسوان میں مدرس رہے، اور ان مختلف تجربات سے فائدہ اٹھا کر آخر میں خود انہوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی نسبت سے ایک مدرسہ فاطمہ نسوان کی بنیاد رکھی، میں کئی بار اس مدرسے کو جا چکا ہوں، اور ہمیشہ مجھے اس مدرسے کی کارکردگی اور طالبات کی صلاحیتوں نے حیرت میں ڈالا ہے، میں نے سوچا نہیں تھا کہ میرے مرحوم دوست ایک اچھے ناظم ومنتظم بھی ہیں، واقعی اللہ پاک نے انہیں بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا، وہ عالم نہیں تھے؛ لیکن 2012ء سے تا انتقال مجلس العلماء گنٹور کے ایک بہت متحرک اور فعال رکن رہے، جنرل سیکریٹری بھی منتخب ہوئے، ہر بڑے چھوٹے کام کے لیے لبیک کہنے والے، صرف حافظ ہونے کے باوجود بہت سارے علماء کو مخلصانہ اور تجربات پر مشتمل بہترین مشوروں سے نوازنے والے، بہت کم لوگ میں نے دیکھے ہیں، حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم کی طرح میرے دوست کو بھی ہمیشہ یہی فکر ستاتی تھی کہ ان کے علاقے کا کوئی حافظ یا عالم بے کار اور فارغ نہ رہے، کوئی فارغ نظر آتا تو فوراً اس کو مصروف کرنے اور کسی خدمت سے جوڑنے کی کوشش کرتے تھے، ابھی ایک ہفتہ پہلے میں جب گنٹور گیا تھا تو یہی درد انہوں نے میرے سامنے رکھا کہ میں اشرف العلوم حیدرآباد کی طرح طلبہ کے لیے شعبہ حفظ کا ایک معیاری غیر اقامتی مدرسہ کھولنا چاہتا ہوں،

ایک دھن سی ان پر سوار تھی کہ کوئی اہم کام کرنا ہے، کوئی بڑی خدمت انجام دینی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ جیسے کلی کھلتی ہے ایسے ہی ابھی ابھی ان کی صلاحیتوں کا اظہار شروع ہوا تھا، یہ ان کا دورِ شباب تھا، خدا کی مصلحت کو بھلا کون سمجھے، مگر سوچا نہیں تھا کہ دکھ درد کو چپ چاپ سہ جانے والا، دوسروں کی مصیبتوں میں ان سے زیادہ پریشان ہونے والا، اپنے بھائی بہنوں سے بے انتہا محبت کرنے والا، اہل علم سے سچی محبت کرنے والا، دوست اور دشمن سے خندہ پیشانی سے ملنے والا میرا ایک یار غار یوں اچانک منوں مٹی تلے سو جائے گا، گنٹور جاتے ہوئے کبھی مجھے نہیں لگتا تھا کہ میں کسی اجنبی کے پاس جا رہا ہوں، یا کسی دوست کے شہر مجھے پہونچنا ہے، ہمیشہ یہی لگتا تھا کہ مجھے خود اپنے گھر جانا ہے، حیدرآباد میں کوئی کام ہوتا تو وہ مجھ سے بے تکلف رابطے کر لیتے، اور گنٹور میں کوئی مسئلہ ہوتا تو میں فوراً ان سے حل کروالیتا، یہ ایک سچا تعلق اور للہی ربط ہمارے درمیان تھا، ان کے گنٹور منتقل ہو جانے کے باوجود بھی کبھی مجھے یہ احساس نہیں ہوا کہ وہ حیدرآباد میں نہیں ہے، ادارے سے اور مجھ سے ویسا ہی گہرا رشتہ انہوں نے جوڑے رکھا، ادارے کا تعاون کرانا ہو، یا گنٹور کے طلبہ یہاں بھیجنا ہو، وہاں پہونچنے والے علماء و بزرگان دین کی خدمت ہو یا ان کے لیے زادِ راہ تیار کرنا ہو، وہ ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے اور نہ جانے کتنی یادیں ہیں جو حافظ عظمت اللہؒ سے جڑی ہوئی ہیں، ایک ایک یاد کے ساتھ آنکھوں کے آنسو جذب کرنے پڑتے ہیں، صبر کر کے خود کو سنبھالنا پڑتا ہے، 19 فروری 2018 پیر کی صبح کار حادثے میں جب ان کی شہادت ہوئی تو جہاں ایک والد اپنے فرماں بردار بیٹے سے، بھائی بہن اپنے ایک فکرمند اور مشفق بھائی سے اہلیہ اپنے ایک چاہنے والے شوہر سے، دو چھوٹی چھوٹی بچیاں اپنے محبت کرنے والے باپ سے، اساتذہ اپنے ایک لائق نورِ نظر شاگرد سے، طلبہ و طالبات اپنے ایک اچھے استاد سے، اہل گنٹور ایک متحرک، فعال اور ملت کا درد رکھنے والے خادمِ دین سے محروم ہو گئے، وہیں میں بھی اپنے ایک سچے دوست، مخلص رفیق اور یارِ غار سے محروم ہو گیا۔

ستم کا آشنا تھا وہ سبھی کے دل دکھا گیا
کہ شامِ غم تو کاٹ لی، سحر ہوئی چلا گیا
سکوت میں بھی اس کے اک ادائے دل نواز تھی
وہ یارِ کم سخن کئی حکایتیں سنا گیا
شریک بزم دل بھی ہیں، چراغ بھی ہیں پھول بھی
مگر جو جانِ انجمن تھا وہ کہاں چلا گیا؟

اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہم سب کو اور پسماندگان کو صبر جمیل اور نعم البدل عطا فرمائے، اور میرے مرحوم دوست کو جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔

گوشۂ اطفال

انوکھا خریدار

حضرت جریر بن عبداللہؓ ایک بڑے مرتبے کے صحابی ہیں، یہ ہمیشہ دوسروں کا بھلا چاہتے، اپنا نقصان گوارا کر لیتے، لیکن دوسرے کا نقصان ان سے دیکھا نہ جاتا۔

ایک دفعہ انھوں نے اپنے غلام کو ایک گھوڑا خرید کر لانے کا حکم دیا، اس نے تین سو درہم (چاندی کے سکوں) میں گھوڑا خریدا اور گھوڑے کے مالک کو قیمت دلوانے کے لئے اپنے ساتھ لایا، حضرت جریرؓ کو قیمت بتلادی اور گھوڑا بھی پیش کر دیا۔

گھوڑا دیکھ کر آپ کو اندازہ ہوا کہ گھوڑا بہت قیمتی ہے، اسکی قیمت تین سو درہم سے زیادہ ہونی چاہیئے، آپ نے گھوڑے کے مالک سے کہا: جناب! آپ گھوڑے کی بہت کم قیمت لگا رہے ہو، گھوڑا تو بہت قیمتی ہے، کیا آپ چار سو درہم میں بیچیں گے؟

اس نے جواب دیا: جیسی آپ کی مرضی، پھر حضرت جریرؓ نے فرمایا: آپ گھوڑے کی قیمت کا صحیح اندازہ نہیں لگا پا رہے ہو، اس کی قیمت تو چار سو درہم سے بھی زیادہ ہے کیا آپ پانچ سو درہم میں بیچنا چاہیں گے؟ اس نے کہا: میں راضی ہوں، اسی طرح حضرت جریرؓ گھوڑے کی قیمت میں سو سو درہم کرتے چلے گئے بالآخر آٹھ سو درہم میں گھوڑا خریدا اور قیمت مالک کے حوالے کر دی۔

حضرت جریرؓ سے کسی نے پوچھا: جب مالک تین سو درہم میں دینے کے لئے راضی تھا تو آپ نے اُسے آٹھ سو درہم دے کر اپنا نقصان کیوں کیا؟ آپ نے جواب دیا: گھوڑے کے مالک کو قیمت کا صحیح اندازہ نہیں تھا میں نے خیر خواہی کرتے ہوئے اُسے پوری قیمت ادا کر دی، اس لئے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وعدہ کیا تھا میں ہمیشہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں گا، میں نے اس وعدہ کو پورا کیا۔

پیارے بچو! دیکھا تم نے حضرت جریرؓ کو!۔۔۔ کس طرح انھوں نے گھوڑے کے مالک کے ساتھ خیر خواہی کر کے اپنا نقصان گوارا کیا، تم بھی ہمیشہ دوسروں کا بھلا سوچو اور بھلا چاہو، کسی کی مجبوری سے غلط فائدہ نہ اُٹھاؤ۔ (ماخوذ: سچی کہانیاں اور تربیتی باتیں، حصہ دوم)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

ادارہ

پھٹے ہوئے ہاتھ اور پیر پر پانی بہانا نقصان دہ ہو تو وضو کیسے کریں؟

سوال: اگر کسی کے ہاتھ پیر پھٹے ہوئے ہوں جس کی بنا پر نہ تو وہ پیر دھو سکتا ہے نہ پانی بہا سکتا ہے تو اب وہ اپنا وضو کیسے مکمل کرے؟

جواب: اگر پیر دھونا نقصان دیتا ہو تو پانی بہا دینا کافی ہے لیکن اگر اس سے بھی نقصان و تکلیف ہوتی ہو تو حکم یہ ہے کہ وہ اس زخمی حصہ پر مسح کر لے اور مابقیہ حصہ کو دھو لے۔ (الھندیہ ۱/۵۵، کتاب الطہارۃ)

وضو کے بعد اعضائے وضو سوکھے ہوئے معلوم ہونا

سوال: کسی نے وضو کیا بعد وضو یہ دیکھا کہ اعضاءِ وضو کے کچھ حصہ پر پانی نہیں پہونچا، کچھ حصہ ابھی خشک ہے تو اس نے ہاتھ کی تری سے خشک حصہ کو بھگا دیا تو کیا اُس کا وضو ہوا یا نہیں؟

جواب: جس عضو پر خشکی ہے اگر اسی عضو کی تری سے اُسے بھگو دیا تو وضو درست ہو جائے گا لیکن اگر دوسرے عضو کی تری سے اُسے تر کرے تو وضو درست نہیں ہوگا۔ (الھندیہ ۱/۵۵، کتاب الطہارۃ)

Swiming pool کے پانی میں دوا ملانے سے مزہ اور بُو بدل جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال: تفریحی تالاب (Swimming Pool) کا پانی اکثر دوائی (Chemicals) کے ذریعہ صاف کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے پانی کی بو اور ذائقہ بدل جاتا ہے تو ایسے پانی سے وضو کرنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: دوائی چونکہ صفائی کی خاطر ڈالی جاتی ہے تو اس پانی سے وضو درست ہے اگر چہ مزہ اور بو بدل جائے ہاں اگر پانی گاڑھا ہو گیا تو وضو درست نہیں۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۱/۷۷۴)

پیشانی اور گردن کے بڑھے ہوئے بالوں پر مسح

سوال: زید کے سر پر بڑے بڑے بال ہے اور بال سامنے پیشانی کی طرف لٹکے ہوئے ہیں اور گردن پر

بھی کچھ بڑے بال ہیں تو زید نے پیشانی اور گردن پر لٹکے بڑے بالوں کا مسح کرلیا تو مسح درست ہوگا یا نہیں؟

جواب: پوچھی گئی صورت میں وضو نہیں ہوگا، وضو کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ یا تو بعینہ سر پر مسح کرے یا ان بالوں پر مسح کرے جو سر کے دائرہ (حصہ) پر ہو۔ (الھندیہ ۱/۵۵، کتاب الطہارۃ)

زخم سے پانی وغیرہ کا نکلنا

سوال: زخم ایسی جگہ پر ہے کہ اٹھنے بیٹھنے کی وجہ سے وہ دبتا ہے جس کی وجہ سے زخم سے تری (پانی وغیرہ) نکلتا ہے تو کیا اس سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟ قصداً دبانے یا بلاقصد دبنے میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

جواب: دبنے یا دبانے سے اس زخم سے تری نکل کر بہہ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے، قصداً دبانے یا بلاقصد دبنے میں کوئی فرق نہیں (ہر دو صورت میں وضو ٹوٹ جائے گا)۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱/۱۳۷)

موسم سرما میں گرم پانی نہ ملنا

سوال: اگر کوئی موسم سرما میں صبح ایسے وقت اٹھا کہ گرم پانی نہ اس کے گھر میں ہے نہ مسجد میں اور سردی کی وجہ سے ٹھنڈے پانی سے غسل نہ کرسکتا ہو اور نہ وقت اتنا باقی ہے کہ پانی گرم کرکے غسل کرے تو کیا یہ شخص تیمم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے؟

جواب: اگر اس کو گرم پانی پر قدرت ہے تو تیمم جائز نہیں نماز قضا پڑھ لے مگر غسل و وضو ضرور کرے۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱/۲۴۳)

سر کے مسح کے لئے نیا پانی لینا

سوال: سر کے مسح کے لئے نیا پانی لینا ضروری ہے؛ یا ہاتھ دھونے کے بعد جو تری (پانی) ہاتھ میں رہ جائے، اس سے اگر کوئی مسح کرلے تو مسح درست ہوجائے گا؟

جواب: سر کے مسح کے لئے نیا پانی لینا ضروری نہیں بلکہ دونوں ہاتھ دھونے کے بعد جو تری (پانی) اس کے ہاتھ میں رہ جائے تو اسی سے مسح درست ہوجائے گا۔ (الھندیہ، کتاب الطہارۃ، ۱/۵۵) تاہم نیا پانی لے کر سر کا مسح کرنا بہتر ہے۔

خبرنامہ

عالمِ اسلام کی خبریں

✷ ہُووے مسلمانوں کے لئے نئے سال پر چین نے مساجد میں مذہبی تعلیم پر روک لگائی۔
(روزنامہ سیاست ۱۹؍فروری ۱۸ء)

✷ غوطہ میں شامی افواج کی بھیانک بمباری ۲۰۰ شہری جاں بحق۔ (روزنامہ اعتماد ۲۱؍فروری ۱۸ء)

✷ ترکی القدس میں تحقیقاتی مرکز قائم کرے گا۔ (روزنامہ اعتماد ۱۰؍فروری ۱۸ء)

✷ خواتین کو پردہ کے لئے برقعہ لازم نہیں؛ سعودی عالم شیخ عبداللہ المطلق (روزنامہ منصف ۱۱؍فروری ۱۸ء)

✷ بنگلہ دیش میں ۱۸؍ملین روہنگیا مسلمانوں کو عدم تحفظ کا سامنا۔ (روزنامہ اعتماد، ا؍فروری ۱۸ء)

✷ فلسطینی قصبات کو اسرائیلی کنٹرول میں دینے کا فیصلہ: اسرائیلی اخبار (روزنامہ اعتماد، ا؍فروری ۱۸ء)

✷ یمن میں لاکھوں بچے غذائی قلت سے دوچار، فوری امداد کی ضرورت۔ (روزنامہ اعتماد، ۱۱؍فروری ۱۸ء)

✷ سعودی خواتین کو مرد کی اجازت کے بغیر کاروبار کی آزادی۔ (روزنامہ اعتماد، ۲۰؍فروری ۱۸ء)

✷ برطانیہ میں ۲۰۰ سے زائد مساجد سب کے لئے کھول دی گئیں۔ (روزنامہ منصف، ۲۰ فروری ۱۸ء)

✷ جرمنی میں لاؤڈاسپیکر سے اذان دینے پر پابندی۔ (روزنامہ منصف، ۴؍فروری ۱۸ء)

✷ منکرِ حدیث کیرالا کی خاتون کا نیا فتنہ، نماز پانچ وقت نہیں صرف تین وقت کی ہوتی ہے، نیز جمعہ کی امامت جاری رکھنے کا عزم۔ (روزنامہ منصف، ا؍فروری ۱۸ء)

✷ خون کی ندیاں بہانے کے بعد پوٹین کا شام کے علاقہ غوطہ میں جنگ بندی کا حکم، روزانہ پانچ گھنٹے کے وقفہ کا اعلان، قیامِ امن کے لئے جرمنی اور فرانس کا روس پر دباؤ۔ (روزنامہ منصف، ۲۸؍فروری ۱۸ء)

✷ اسرائیل نے دو فلسطینی وزیروں کو القدس میں داخلے سے روک دیا۔ (روزنامہ منصف، ۲۸؍فروری ۱۸ء)